ماهنامہ
خالد ربوہ
جنوری ۱۹۹۷ء
ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

تجھ کو اے عبد السلام ــــ سب کا سلام

امام جماعتِ احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کی زبانِ مبارک سے

احمدیت کے مایہ ناز فرزند محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا ذکرِ خیر

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء میں محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے فضل سے آپ کی فضیلت عقل کی روشنی کے لحاظ سے ساری دنیا میں مسلّم ہے بلکہ اخلاقی قدروں اور عظمتِ کردار کے لحاظ سے یہ وہ سائنسدان ہے جس کی دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی عزّت کرتے تھے لیکن اِن باتوں کے باوجود تکبّر کا نام ونشان نہیں تھا.....

آپ نے فرمایا کہ ان کے نیک انجام سے میری توجّہ نیک آغاز کی طرف گئی۔ ان کی توحید کے ساتھ وابستگی اور وفا خدا کی وحدانیت پر غیر متزلزل ایمان، غیر اللہ کو مسلسل ردّ کرتے چلے جانا....

آپ سائنس کی دنیا میں اتنے بلند مرتبہ پر پہنچنے کے باوجود کامل طور پر خدا کی ہستی کے قائل تھے پھر خدائے واحد ویگانہ کی عظمت کو ماننے کے نتیجہ میں جو انکسار پیدا ہوتا ہے وہ پوری طرح آپ کی ذات میں رہا ہے۔

حضور نے مرحوم ڈاکٹر صاحب کی خلافت سے وابستگی اور وفا اور اطاعت وخلوص کا بھی ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ اتنے بڑے انسان تھے اس کے باوجود آپ میں کسی قسم کے غرور یا تکبّر کا شائبہ نہیں تھا۔ اپنے تمام تر مقام کے باوجود خلافت سے اتنا گہرا اطاعت اور عاجزی کا تعلق رکھتے تھے کہ میں حیران ہو جاتا تھا۔

حضور نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی رفعتوں کی جو جان ہے یعنی دعاؤں کا پھل وہ جان اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں اور نسلوں میں آگے جاری فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 45 شمارہ 3

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ خالد ربوہ

صلح 1376 ہش

جنوری 1997ء

★★★★

ایڈیٹر:
سید مبشر احمد ایاز

فہرست مضامین

رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

قیمت۔ /6 روپے ★ سالانہ۔ /60 روپے

مینیجر: مبارک احمد خالد

پبلشر: مبارک احمد خالد۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

اداریہ

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی

کہتے ہیں کسی جگہ ایک درویش کھڑا تھا تھوڑی دیر میں وہاں سے ایک جنازہ گزرا اور اس کے ساتھ کچھ لوگ تھے جو روتے ہوئے جا رہے تھے ان میں سے ایک ایسا تھا کہ زار و قطار روئے جا رہا تھا۔ درویش نے اس کو پوچھا کہ بھئی تمہیں کیا ہوا ہے۔ کیوں جان ہلکان کر رکھی ہے۔ روتے ہوئے وہ بولا کہ یہ میرا بہت ہی پیارا اور وفادار دوست تھا جو کہ اب فوت ہو گیا ہے۔ اور دنیا سے چلا گیا ہے میں اس کے غم میں رو رہا ہوں۔ درویش نے بڑے اطمینان سے اس کو کہا کہ بھئی جانے والوں سے دوستی ہی کیوں کی۔ اس درویش کا یہ فقرہ دانائی و حکمت کے دریا کو کوزے میں بند کئے ہوئے ہے۔ انسانی زندگی کا فلسفہ اور حقیقت ہے جو کہ اس ایک فقرے میں آ گیا ہے۔ اس میں بتانا وہ یہ چاہتا ہے کہ اول تو ہر ایک نے جانا ہے سب کو فنا ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کا مضمون ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ایسی فانی ہستیوں سے دل لگا لینا کیا معنی۔

غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی

ایک ہی ہستی سے دوستی کرو' دل لگاؤ کہ اس پر فنا نہیں وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذو الجلال و الاکرام اس فنا کی حقیقت اور ان فانی ہستیوں کے تعلقات کے عارضی ہونے کی اصلیت کی طرف اس کائنات میں بے شمار چیزیں ہیں جو وقتاً فوقتاً انسان کو توجہ دلاتی رہتی ہیں کہ یہ دنیا سرائے فانی ہے۔ یہاں کوئی مستقل نہیں رہے گا۔ ان اٹل حقیقتوں کی طرف توجہ دلانے والی چیزوں میں سے ایک وقت ہے۔ یہ سال مہینے اور دنوں کا شمار۔ ایک سال گزر جاتا ہے تو گزرے ہوئے سال کو پلٹ کر دیکھتے ہوئے یہ گمان ہوتا ہے کہ:۔

جو کچھ کہ دیکھا خواب تھا جو سنا افسانہ تھا

ایسے لگتا ہے کہ جیسے ایک خواب تھا۔ 365 دنوں کا سال ایک لمحہ سا لگتا ہے۔ کتنی تیزی سے یہ وقت گزر جاتا ہے۔ یہ گزرا ہوا سال بھی دراصل انسان کو جھنجھوڑتا ہے کہ دیکھو سب پر فنا ہے۔ سب نے آخر جانا ہے۔ یہاں کسی کا مستقل ڈیرہ نہیں اس لئے ابھی بھی وقت ہے سنبھل جانا چاہئے۔ اپنے خالق سے "صلح" کر لینی چاہئے اور جن کی پہلے ہی صلح ہے وہ اپنی محبت اور وفا کے تعلق کو استوار سے استوار تر کرتے چلے جائیں اور دوسری طرف بنی نوع انسان سے ہمدردی کا جو تعلق ہے اس کو کبھی بھولنا نہیں چاہئے۔ یہ وہ اصل حقیقت جو ان مہینوں اور سالوں کے شمار سے عیاں ہوتی ہیں۔ وگرنہ سال تو آتے رہتے ہیں لیکن یہ سوچنے والی بات ہے کہ یہ سال جب شروع ہوتا ہے تو کتنے لوگوں پر اور جب ختم ہوتا ہے تو کتنے لوگ ہوتے ہیں جو باقی ہوتے ہیں۔ بے شمار ایسے ہوتے ہیں جو جانے والے سال سے پہلے ہی جا چکے ہوتے ہیں۔ اور سال گزرتے گزرتے باقی رہنے والوں کو یہ کہہ جاتا ہے کہ

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

پس آیئے اس آنے والے سال کا استقبال اس طرح سے کریں کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کی نیت کریں۔ اپنا لیکھا (حساب) خدا سے صاف کرنے کی کوشش کریں۔ گو کہ یہ سعی ناتمام ہوگی لیکن ہمارا کام تو عزم اور کوشش کرنا ہے اور اس کا کام رحمانیت اور رحیمیت کی جلوہ گری دکھانا ہے۔ خدا کرے کہ آنے والا یہ سال بے شمار رحمتوں اور برکتوں کو لے کر آئے۔ تمام عالم اسلام کو تمام بنی نوع انسان کو سچا امن اور سکھ نصیب ہو۔ دنیا بھر کے غم اور مصیبتوں اور جنگوں کی ہولناکیوں کے خوف سے انسانیت کو امن و آشتی کے لمحات نصیب ہوں۔ اور ہم میں سے کوئی بھی جب خدا کے حضور حاضر ہو تو وہ اس سے راضی ہو اور خوش ہو۔ آمین

معارف القرآن

عمر دراز ہونے کا راز

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

"ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو لیکن بہت ہی کم ہیں وہ لوگ جنہوں نے کبھی اس اصول اور طریق پر غور کی ہو جس سے انسان کی عمر دراز ہو۔ قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ یعنی جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں ان کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو درازی عمر کا وعدہ فرمایا ہے جو دوسرے لوگوں کے لئے مفید ہیں۔ حالانکہ شریعت کے دو پہلو ہیں اول خدا تعالیٰ کی عبادت دوسرے بنی نوع سے ہمدردی، لیکن یہاں یہ پہلو اس لئے اختیار کیا ہے کہ کامل عابد وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ پہلے پہلو میں اول مرتبہ خدا تعالیٰ کی محبت اور توحید کا ہے اس میں انسان کا فرض ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچائے اور اس کی صورت یہ ہے ان کو خدا کی محبت پیدا کرنے اور اس کی توحید پر قائم ہونے کی ہدایت کرے جیسا کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ سے پایا جاتا ہے۔ انسان بعض وقت خود ایک امر کو سمجھ لیتا ہے لیکن دوسرے کو سمجھانے پر قادر نہیں ہوتا اس لئے اس کو چاہئے کہ محنت اور کوشش کر کے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا دے۔ ہمدردی خلائق، یہی ہے کہ محنت کر کے دماغ خرچ کر کے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے تا کہ عمر دراز ہو۔"

(ملفوظات جلد دوم طبع جدید صفحہ 221)

(11) معارف الحدیث

ازافاضات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

روزہ جسم کی زکوۃ اور صحت کا ضامن ہے

(مرتبہ: مکرم عبدالسمیع خان صاحب)

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ شَیْءٍ زَکٰوۃٌ وَ زَکٰوۃُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ

(سنن ابن ماجہ کتاب الصوم باب فی الصوم زکوۃ الجسد)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کو پاک کرنے کے لئے ایک زکوۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوۃ اور پاکیزگی کا ذریعہ روزہ ہے۔

(2) صُوْمُوْا تَصِحُّوْا (کنز العمال جلد 8 صفحہ 450 کتاب الصوم باب فی فضل الصوم)

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا روزے رکھا کرو صحت مند ہو جاؤ گے۔

تشریح: سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"زکوۃ اموال کو پاک کرنے کے لئے بھی دی جاتی ہے اور اعمال کی نشوونما کے لئے بھی دی جاتی ہے دونوں معنی بیک وقت اس میں موجود ہیں اور تزکیہ نفس کے لئے بھی دی جاتی ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ جسم کو اگر پورے طور پر اس کے ہر پہلو سے دیکھا جائے تو روزہ ایسی چیز ہے جو سارے جسم کی زکوہ بن جاتا ہے اور اس کے متعلق تشریح ایک اور حدیث میں یوں بھی آئی ہے کہ "صوموا تصحوا" اگر تم روزے رکھو گے تو صحت مند رہو گے۔ پس صرف روحانی زکوۃ ہی نہیں بدنی زکوۃ بھی ہے اور رمضان کے مہینے میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ روزے کے نتیجہ میں صحت بہتر ہوتی ہے خراب نہیں ہوا کرتی بشرطیکہ بیماری کی شرط کو پیش نظر رکھے۔ جب اللہ فرماتا ہے کہ بیمار ہو تو روزے نہیں رکھنے۔ اگر اس شرط کو نظرانداز کریں گے تو پھر صحت بگڑے گی تو آپ کی اپنی غلطی سے بگڑے گی۔ رمضان کے نتیجے میں صحت نہیں بگڑا کرتی بلکہ صحت عطا ہوتی ہے۔

وہ لوگ جو ڈائٹنگ (Dieting) کرتے ہیں مثلاً بڑی مصیبت پڑی ہوتی ہے سارا سال کوشش کرتے ہیں لیکن پھر بھی وزن کم نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ضروری نہیں کہ وہ کھانا زیادہ کھاتے ہوں۔ کئی ایسے موٹے میں نے دیکھے ہیں میرے پاس مریض آتے رہتے ہیں جن کی مشکل یہ ہے کہ اگر وہ کھانا کم کر دیں تو خون کم ہو جاتا ہے مگر جسم کم نہیں ہوتا

اور کئی ایسی مریضائیں ہیں جن کو بیچاروں کو انیمیا ہو گیا اس کوشش میں کہ کسی طرح وزن کم ہو یہاں تک کہ ڈاکٹروں نے مجبور کیا کہ اپنی غذا نارمل کرو خواہ وزن کم ہو یا نہ ہو تو یہ Metabolism کی خرابی کی وجہ سے بعض دفعہ موٹاپا ہوتا ہے۔ لازم نہیں کہ کوئی انسان زیادہ کھائے تو موٹا ہو۔ Metabolism اس کو کہتے ہیں کہ ایک انسان جب خوراک لے رہا ہے تو وہ خوراک جسم میں ہضم ہو رہی ہے اور دوسری طرف جسم کے اندر ایسا نظام ہے کہ اس خوراک کو دوبارہ Energy میں یعنی توانائی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور وہ توانائی اس کے مختلف کاموں میں استعمال ہوتی ہے۔ دماغ کے لئے بھی، سانس لینے میں، دل کے دھڑکنے میں خواہ انسان کوئی حرکت دوسری کرے یا نہ کرے ہر وقت استعمال ہو رہی ہے اور گرمی بھی بناتی ہے حرارت غزیری بھی اسی سے ملتی ہے۔ اگر یہ توازن بگڑ جائے اور ایک انسان جتنا کھاتا ہے اتنا وہ گرمی میں تبدیل نہ کر سکے تو لازماً جو بقیہ بچی ہوئی Energy ہے وہ Fats میں یا گوشت میں تبدیل ہو گی۔ صحت اچھی ہو گی ورزش کی عادت ہو گی تو وہ Muscles میں تبدیل ہوتی ہے پھر اور پروٹینز بنتی ہیں اس سے اور اگر صحت خراب ہو اور جگر کی خرابی سے عموماً ایسا ہوتا ہے تو پھر صرف چربی بنتی ہے مسلز نہیں بنتے اور ایکسرسائز اس کا علاج ہے بعضوں کو اتنی توفیق نہیں ہوتی بعض بے چارے اتنے بیمار ہوتے ہیں کہ Exercise یعنی ورزش کے باوجود وہ یہ توازن برقرار نہیں رکھ سکتے۔ یہ ہے وہ صورت حال جس کا علاج روزہ ہے اور روزے میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جو دو کھانوں کے درمیان فاصلہ ڈالا جاتا ہے وہ بعض دفعہ خوابیدہ ایسی طاقتوں کو بیدار کر دیتا ہے جو انرجی بنانے کی کارروائی کو تیز کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کو عام طور پر بھوک نہیں لگتی روزے میں سے گزریں تو بھوک ان کی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ ڈائٹنگ کرتے ہیں لیکن روزے کے بعد ان سے ڈائٹنگ نہیں ہو سکتی کیونکہ جسم کی طرف سے ایسی بھڑکی لگتی ہے کہ مجبور کرتی ہے کہ ضرور انسان کچھ نہ کچھ کھائے ورنہ بے چینی رہتی ہے یعنی بے چینی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو صحت سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی اور بھی بہت سی شاخیں ہیں۔ تمام تفصیل شاخوں کی بحث میں اس خطبے میں نہیں اٹھانا چاہتا مگر یہ یقین کریں کہ جنہوں نے غور کیا جنہوں نے تحقیق کی وہ اس نتیجے پہ پہنچے کہ روزہ صحت کا ضامن ہے، روزہ صحت کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

چنانچہ ایک تحقیق کا شاید میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا۔ اسرائیل میں اس مضمون پر ریسرچ ہوئی اور ان کی نیت بظاہر یہی معلوم ہوتی تھی کہ وہ ثابت کریں کہ مسلمانوں کا جو یہ طریق ہے روزے رکھنے کا یہ ان کے لئے نقصان دہ ہے اور بچوں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ بڑوں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ چنانچہ پوری گہری ریسرچ کی گئی ایک بڑی ٹیم نے اس پہ کام کیا اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ روزے کے دنوں میں تو بعض لوگ پہلے سے بھی بڑھ کر کھاتے ہیں اور زیادہ کھانے کے نتیجے میں اور بیچ میں فاقے رہنے کے نتیجے میں ایسا نقصان ان کو پہنچ سکتا ہے کہ پھر وہ بعد میں سنبھل نہ سکیں۔ جو ریسرچ کا ماحصل تھا اس نے ان کو حیران کر دیا۔ بالکل برعکس نتیجہ نکلا۔ جس چیز کی تلاش میں تھے اس کی بجائے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

جتنی تحقیق کی گئی ہے اس کے نتیجے میں رمضان کے مہینے کے بعد انسان بہتر صحت کے ساتھ باہر نکلتا ہے کمزور ہو کے نہیں نکلتا۔ ہر پہلو سے اس کے جائزے لئے گئے۔ کولیسٹرول لیول کے لحاظ سے جائزے لئے گئے۔ Metabolism کی Ratios کے آپس میں توازن کے لحاظ سے لئے گئے غرضیکہ باقاعدہ ریسرچ کا جو حق ہے وہ ادا کیا گیا اور نتیجہ یہ نکلا ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے جو بات فرمائی دیکھیں وہ کیسی صحت کے ساتھ وہ بات فرمائی کتنی سچی بات فرمائی صوموا تصحوا روزے رکھا کرو صحت اچھی ہو جائے گی۔ یہ خیال نہ کرنا کہ تمہاری صحت بگڑے گی۔"

(خطبہ جمعہ 26 جنوری 96ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 15 مارچ 1996ء)

اعلانِ ولادت

مکرم چوہدری ظفر اللہ خاں طاہر صاحب مہتمم تربیت کو اللہ تعالیٰ نے مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو دوسری بیٹی سے نوازا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہِ شفقت "منزّہ ظفر" نام عطا فرمایا ہے۔

نومولودہ مکرم چوہدری حبیب اللہ صاحب حال مقیم کینیڈا کی پوتی اور مکرم بشیر احمد صاحب مرحوم گلشن پارک لاہور کی نواسی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نومولودہ کو نیک اور خادمۂ دین بنائے۔ آمین

اعلانِ ولادت

برادرم مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر مہتمم اشاعت کو مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۹۶ء کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے بیٹے سے نوازا ہے۔ بچے کا نام "ولید احمد" رکھا گیا ہے۔

نومولود مکرم و محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت کا پوتا اور مکرم و محترم ملک ظفر احمد خاں صاحب آف راولپنڈی کا نواسہ ہے۔

ادارہ خالد برادرم مکرم ڈاکٹر صاحب اور آپ کے اہلِ خانہ کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا ہے کہ مولا کریم عزیزم ولید احمد کو نیک اور صالح خادمِ دین بنائے اور والدین کے لئے قرۃ العین ثابت ہو۔ آمین۔

(مدیر)

مضامین لکھتے وقت حوالہ جات ضرور درج کیا کریں

ادارہ خالد سے خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(مینیجر ماہنامہ خالد ربوہ)

محترم ڈاکٹر سعید احمد خان آف برطانیہ انتقال فرما گئے

حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے جنازہ پڑھایا
احمدیہ ٹیلی ویژن نے جنازہ لائیو نشر کیا

احباب جماعت کو افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ جماعت احمدیہ برطانیہ کے مخلص اور فدائی دوست، حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع کے سمدھی محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب گزشتہ روز انتقال فرماگئے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کا جنازہ مورخہ 7 دسمبر 96ء کو پاکستان کے وقت کے مطابق شام سات بجنے میں 10 منٹ پر حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے پڑھایا۔ جنازہ پڑھانے کی کارروائی احمدیہ ٹیلی ویژن پر لائیو ٹیلی کاسٹ کی گئی۔

حضرت صاحب نے جنازہ پڑھانے سے قبل محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو بھرپور انداز میں خراج تحسین ادا کیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر سعید احمد خان (جو ایک موذی بیماری کینسر میں مبتلا تھے) آخری وقت تک اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے اور اگرچہ ڈاکٹروں نے انہیں لاعلاج قرار دے دیا تھا مگر وہ کہتے تھے کہ اللہ چاہے تو مجھے زندگی عطا کر سکتا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ نے مجھے نئی زندگی دی تو میں اپنی زندگی کو اللہ کی راہ میں وقف کردوں گا۔ حضرت صاحب نے فرمایا انہوں نے زندگی تو پہلے ہی خدا کی راہ میں وقف کر رکھی تھی، وہ ایک عظیم آدمی تھے۔ ایک مثالی احمدی تھے۔ وہ جو کہتے تھے اس پر عمل کرکے دکھاتے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ایک نوبل روح ہم سے جدا ہوگئی۔ یہ ایک بڑا صدمہ ہے مگر ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔

جنازہ پڑھانے کے بعد حضرت صاحب نے محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا کی اور موصوف کے چہرے پر بوسہ دیا۔

ڈاکٹر صاحب کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا اور وہ عرصہ دراز سے برطانیہ میں مقیم تھے۔ ان کی عمر تقریباً 65 سال تھی۔ وہ نارتھ ریجن کے امیر تھے اور سالہا سال سے یہ خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ وہ کئی سال سے جماعت سپین ویلی (Spen Valley) کے صدر بھی چلے آرہے تھے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب نہایت پرجوش اور کامیاب داعی الی اللہ تھے۔ جن کا ذکر مثال کے طور پر کئی بار حضرت صاحب نے فرمایا تھا۔ ان کو دعوت الی اللہ کا بڑا سلیقہ تھا اور خدا کے فضل سے علم بھی وسیع تھا۔ اپنے کام کے ساتھ ساتھ بڑی لگن کے ساتھ دعوت الی اللہ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب برطانیہ کے چوٹی کے سکن (Skin) سپیشلسٹ تھے۔ ان کی ذات میں خدمت خلق کا جذبہ بڑا نمایاں تھا۔ وہ اور ان کی بیگم صاحبہ وقف عارضی کے لئے خدمت خلق کی نیت سے گیمبیا گئے اور اس عرصہ میں خدمت خلق کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ کا سلسلہ جاری رکھا اور سینکڑوں افراد کی ہدایت کا سبب بنے۔ اس کے علاوہ روس کے علاقے بیلاروس میں بھی وقف عارضی پر گئے۔ آپ نہایت نیک، متقی، دیندار اور مالی قربانی میں پیش پیش تھے۔

دیکھو دنیا چند روزہ ہے

ملفوظات حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"دیکھو دنیا چند روزہ ہے اور آگے پیچھے سب مرنے والے ہیں۔ قبریں منہ کھولے ہوئے آوازیں مار رہی ہیں اور ہر شخص اپنی نوبت پر جا داخل ہوتا ہے۔ عمر ایسی بے اعتبار اور زندگی ایسی ناپائیدار ہے کہ چھ ماہ اور تین ماہ تک زندہ رہنے کی امید کیسی۔ اتنی بھی امید اور یقین نہیں کہ ایک قدم کے بعد دوسرا قدم اٹھانے تک زندہ رہیں گے یا نہیں۔ پھر جب یہ حال ہے کہ موت کی گھڑی کا علم نہیں اور یہ پکی بات ہے کہ وہ یقینی ہے۔ ٹلنے والی نہیں تو دانشمند انسان کا فرض ہے کہ ہر وقت اس کے لئے تیار رہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْن (البقرہ:133) ہر وقت جب تک انسان خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف رکھے اور ان ہر دو حقوق کی پوری تکمیل نہ کرے بات نہیں بنتی۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ حقوق بھی دو قسم کے ہیں ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد....."

(ملفوظات جلد دوم (طبع جدید) صفحہ 68)

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

تمام قارئین کی خدمت میں سالِ نو مبارک

فضلِ خدا کا سایہ تم پر رہے ہمیشہ ✤ ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گزرے

(ادارہ)

لائق ہوں گی۔ اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ کو ہی پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں۔"

(بحوالہ تفسیر سورہ بقرہ صفحہ 365)

اب رمضان کے ماہ مبارک کی آمد آمد ہے۔ یہ مہینہ ان مقدس ایام کی یاد دلاتا ہے جن میں قرآن کریم کی کامل کتاب کا دنیا میں نزول ہوا۔ مبارک دن اللہ کی رحمت اور اس کی برکت کے دروازے کھولنے والے کا جب دنیا کی گھناؤنی شکل اس کے بدصورت چہرے اس کے اذیت پہنچانے والے اعمال سے تنگ آکر رسول کریم ﷺ غار حرا میں جا کر اور دنیا سے منہ موڑ کر اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر صرف اپنے خدا کی یاد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس پیاری کتاب کا نزول رمضان کے مبارک ایام میں شروع ہوا بلکہ رمضان میں ہی سارے کا سارا نازل ہوا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ (البقرہ)

اور پھر فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ (سورۃ القدر)

یعنی ہم نے اس قرآن کو ایک ایسی عظیم رات میں اتارا ہے کہ جس کی عظمت کا اندازہ انسان کر ہی نہیں سکتا۔ تو اس مناسبت سے معلوم ہوا کہ علاوہ اس کے کہ قرآن کی تلاوت ہر وقت ہی ایک عظیم اور محمود فعل ہے اور صبح کے وقت کی تلاوت تو خدا کے حضور "مقام مشہود" پاتی ہے۔ مگر رمضان میں اس کی تلاوت ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ اس وجہ سے بھی کہ اس کے نزول کا تعلق براہ راست رمضان کے ساتھ ہے اور اس وجہ سے بھی کہ خود رمضان ہر نیکی کے حسن اور اس کی قبولیت میں اضافہ کا موجب ہے۔

بخاری کتاب فضائل القرآن باب كَانَ جِبْرِیْلُ یَعْرِضُ الْقُرْاٰنَ عَلَى النَّبِیِّ [2] سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال رمضان کی راتوں میں جبریل علیہ السلام تشریف لاتے اور آنحضور ﷺ کے ساتھ قرآن کے اس حصہ کا جو اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا دور کرتے تھے اور آپ کی حیات مبارکہ میں جو آخری رمضان آیا تو اس میں کل قرآن کا دور دو مرتبہ کیا۔ خدا تعالیٰ کا قرآن کریم کے دور اور دہرائی کے لئے دیگر تمام گیارہ ماہ کو چھوڑ کر صرف رمضان کو اختیار کرنا بتاتا ہے کہ اس ماہ میں تلاوت قرآن خدا تعالیٰ کو خاص محبوب ہے اور اس کے حضور اس کا ایک عظیم مقام اور درجہ ہے۔

سو خدا تعالیٰ کی یہ فعلی شہادت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ ہم اس موقعہ کو غنیمت جانیں کون جانے اگلا رمضان کس کس کو دیکھنا نصیب ہو گا۔ اس لئے رمضان اور قرآن کو اپنے اندر داخل کرنے کا یہ ایک قیمتی موقعہ خدا تعالیٰ ہمیں عطا کر رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

"اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ عُرِضَ عَلٰى قَوْمٍ فَمَا

دَخَلَ فِیۡہِمۡ وَمَا دَخَلُوۡا فِیۡہِ اِلَّا قَوۡمٌ مُنۡقَطِعُوۡنَ"

یعنی یہ قرآن ایک قوم پر پیش کیا گیا مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ نہ قرآن ان کے دلوں میں جگہ پا سکا نہ وہ قرآن کے مضامین کو سمجھ سکے۔ ہاں ایک ایسی قوم نے اسے قبول کیا اور ایک ایسی قوم کے دلوں کو اس قرآن کا مسکن بننے کی سعادت ملی جو دنیا سے منقطع تھے۔

اس رمضان میں اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمیں دعاؤں کے ساتھ اس بات کی کوشش کرنے کی سعادت نصیب ہو کہ ہم بھی "قوم منقطعون" میں شامل ہو جائیں۔ آمین۔

ایک اور ارشاد نبویؐ اس مبارک ماہ میں تلاوت قرآن کی اہمیت کی طرف ترغیب دلا رہا ہے کہ:۔

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن روزے اور قرآن بندے کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس شخص کو (رمضان میں) دن کے وقت کھانے پینے اور شہوت نفسانی سے روکا تھا (یہ رک گیا تھا)۔ پس میری سفارش اس کے بارے میں قبول فرما اور قرآن کہے گا اے میرے رب! میں نے اس شخص کو رات سونے سے روک دیا تھا (یہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر قرآن پڑھتا تھا) پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی (اور اس شخص کو بخش دیا جائے گا)۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

رمضان کی اہمیت اور عظمت اور قرآن مجید کی برکت بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

"رمضان ایک خاص اہمیت رکھنے والا مہینہ ہے اور جس شخص کے دل میں (دین حق) اور ایمان کی قدر ہوتی ہے وہ اس مہینہ کے آتے ہی اپنے میں ایک خاص حرکت اور جسم میں ایک خاص قسم کی کپکپاہٹ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتنی ہی صدیاں ہمارے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان گزرتی جائیں، کتنے ہی سال ہمیں اور ان کو جدا کرتے چلے جائیں، کتنے ہی دنوں کا فاصلہ ہم میں اور ان میں حائل ہوتا چلا جائے لیکن جس وقت رمضان کا مہینہ آتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان صدیوں اور سالوں کو اس مہینہ نے لپیٹ لپاٹ کر چھوٹا سا کر کے رکھ دیا ہے اور ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہی قریب نہیں، چونکہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام فاصلہ کو رمضان نے سمیٹ سماٹ کر ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب پہنچا دیا ہے۔ وہ بعد جو ایک انسان کو خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے، وہ بعد جو ایک مخلوق کو اپنے خالق سے ہوتا ہے، وہ بعد جو ایک کمزور اور نالائق ہستی کو زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا سے ہوتا ہے، وہ یوں سمٹ جاتا ہے وہ یوں مٹ جاتا ہے وہ یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے سورج کی کرنوں سے رات کا اندھیرا۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 393-394)

اس مبارک صد مبارک مہینہ میں تلاوت قرآن کریم کی عظمت اور ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

"رمضان کلام الٰہی کو یاد کرنے کا مہینہ ہے۔ اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں قرآن

کریم کی تلاوت زیادہ کرنی چاہئے اور اسی وجہ سے ہم اس مہینہ میں درس قرآن کا انتظام کرتے ہیں۔ دوستوں کو چاہئے کہ اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کیا کریں اور قرآن کریم کے معانی پر غور کریں۔ تاکہ ان کے اندر قربانی کی روح پیدا ہو جس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۳۹۳)

پھر رمضان اور قرآن کریم کا تعلق بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفہ المسیح الثالث ؒ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قدر عظیم کتاب کو ہم نے رمضان کے مہینے میں نازل کرنا شروع کیا تھا۔ **شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن** اور اسے (سارے کے سارے) اپنے اپنے وقت پر رمضان میں نازل کرتے رہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نزول فرماتے اور میرے ساتھ قرآن کریم کا دَور کیا کرتے۔ اس رمضان میں جتنا حصہ قرآن کریم کا نازل ہو چکا ہوتا اس کا دَور نزول کے ذریعہ جبریل علیہ السلام حضرت رسول اکرم ﷺ سے کرتے۔ ایک دفعہ، پھر دوسری دفعہ، پھر تیسری دفعہ نزول ہوتا رہتا تھا اور آخری سال نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے دو دفعہ میرے ساتھ قرآن کریم کا دَور کیا ہے۔ غرض اتنی عظیم کتاب کا اس مہینہ میں بار بار نزول ہونا اور پھر اس مہینہ میں نزول ہونا بتاتا ہے کہ یہ ماہ بہت سی برکتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس فرمایا کہ یہ مہینہ وہ ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کے احکام بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا قرآن کریم کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اور جو قرآنی برکتیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت (یعنی **شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن.... الآیہ** ناقل) میں بیان کی ہیں جن کا اختصار کے ساتھ میں نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر "تم ان برکتوں کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو رمضان کی عبادتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 24 نومبر 1967ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔ میں کہتا ہوں درحقیقت یہی ایک ہتھیار ہے جو اب بھی کارگر ہے اور ہمیشہ کے لئے کارگر ہوگا اور پہلے بھی قرون اول میں یہی ایک حربہ تھا جو خود حضور سرور عالم ﷺ اور صحابہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ مبارکی اور صد ہزار مبارکی ہے اس قوم کو جو اس کے اختیار کرنے اور اسی یگانہ کتاب کو اپنا مایہ ایمان قرار دینے میں ذرہ بھی تردد اور تذبذب میں نہیں پڑی، بڑے جوش اور خوشی کے ساتھ آگے بڑھ کر اس فرقان اور نور کو لبیک کہا"

(الحکم 17 اکتوبر 1900ء صفحہ 5)

اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ رمضان ہمارے لئے موقعہ اور وسیلہ بن جائے اس کارگر حربہ اور اس یگانہ کتاب کو اختیار کرنے کا، تا ہم بھی "مبارکی اور صد ہزار مبارکی" کے مستحق قرار پائیں۔ اللھم آمین

حضرت خلیفہ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے خلافت سے قبل رمضان میں تلاوت قرآن کریم کی طرف توجہ دلانے کے لئے "رمضان اور تلاوت قرآن" کے عنوان سے ایک

مضمون الفضل میں شائع فرمایا جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام ماہ رمضان میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرماتے تھے اور آخری رمضان میں آپ نے حضور ﷺ کے ساتھ قرآن کریم کا دو بار دور فرمایا۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ حامل قرآن اور مفسر قرآن علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے بعد امت محمدیہ کو قرآن کے پڑھنے، اس پر غور کرنے، اس کے مطالب سمجھنے اور اس سے ہدایت لینے کی طرف خاصی توجہ دینی ہوگی۔ اس نکتہ کو اکابر امت نے خوب سمجھا اور ماہ رمضان میں تلاوت قرآن مجید پر اس قدر زور دیا اور اس کی طرف اس قدر متوجہ ہوئے اور اس کثرت سے قرآن کریم کو پڑھا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضرت الاسودؒ کے متعلق آتا ہے کہ رمضان میں وہ دو راتوں میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ رمضان کے پہلے بیس دنوں میں تین دنوں میں اور آخری عشرہ میں دو راتوں میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ اسی طرح حضرت قتادہؒ رمضان کی پہلی بیس راتوں میں تین دن میں ایک بار لیکن آخری عشرہ میں ہر روز پورے قرآن کی تلاوت مکمل کر لیتے تھے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ رمضان میں قرآن کریم کے ساٹھ دور کرتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ کے متعلق آیا ہے کہ رمضان شروع ہوتے ہی حدیث کے تمام مشاغل ترک کر کے صرف قرآن کریم ہی کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری کے متعلق بھی یہی آیا ہے کہ وہ سب دیگر مشاغل دینیہ کو چھوڑ کر رمضان المبارک میں صرف تلاوت قرآن ہی کی طرف کلیہ متوجہ ہو جاتے تھے۔ پس میں سب دوستوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ رمضان کے مبارک مہینہ میں خصوصاً رات کی گھڑیوں میں جہاں تک ممکن ہو سکے دیگر مشاغل کو ترک کر کے قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی پوری ہمت اور اپنی پوری طاقت اور اپنی پوری توجہ کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے اور اس کے مطالب پر غور کرنے اور اس کے اوامر نواہی کی حکمتوں کے سمجھنے کی سعی میں لگ جائیں اور کوشش کریں کہ اس پاک اور مقدس کتاب سے زیادہ سے زیادہ برکتیں حاصل ہوں کہ یہ وہ نور ہے جس میں کوئی ظلمت نہیں اور وہ چشمہ اصفی ہے جس میں کوئی گدلا پن نہیں اور وہ کامل اور مکمل ہدایت ہے جس کے بعد کسی اور صحیفہ یا ہدایت کی ضرورت نہیں۔ اس کے کہنے ہی کیا ہیں۔

وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

پس آؤ کہ صحف مکرمہ مرفوعہ کی تلاوت کریں۔ انہیں پڑھیں اور پھر پڑھیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سارے جسم اور ہماری ساری سوچ اور ہمارے سارے دل اور دماغ میں سرایت کر جائیں اور اس ارفع اور عزت بخش کلام کیلئے ہمارے دلوں میں ایک بے پناہ محبت پیدا ہو جائے اور ہمارے وجود کا ذرہ ذرہ بے اختیار ہو کر پکار اٹھے کہ:۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے"

(الفضل 29 جنوری 1964ء صفحہ 1)

OO

نوروں نہلائے ہوئے قامت گلزار کے پاس
اک عجب چھاؤں میں ہم بیٹھے رہے یار کے پاس

اس کی ایک ایک نگہ دل پہ پڑی ایسی کہ بس
عرض کرنے کو نہ تھا کچھ لب اظہار کے پاس

یوں ہم آغوش ہوا مجھ سے کہ سب ٹوٹ گئے
جتنے بھی بت تھے صنم خانہ پندار کے پاس

تم بھی اے کاش کبھی دیکھتے سنتے اسکو
آسماں کی ہے زباں یار طرحدار کے پاس

یہ محبت تو نصیبوں سے ملا کرتی ہے
چل کے خود آئے مسیحا کسی بیمار کے پاس

یونہی دیدار سے بھرتا رہے کاسہ دل
یونہی لاتا رہے مولا ہمیں سرکار کے پاس

پھر اسے سایہ دیوار نے اٹھنے نہ دیا
آکے اک بار جو بیٹھا تری دیوار کے پاس

تجھ میں اک ایسی کشش ہے کہ بقول غالب
"خود بخود پہنچے ہے گل گوشہ دستار کے پاس"

تیرا سایہ رہے سر پر تو کسی حشر کی دھوپ
سرد پڑ جائے جو آئے بھی گنہگار کے پاس

(مکرم عبید اللہ علیم صاحب)

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

انتخاب از تحریرات حضرت خلیفہ المسیح الاول

(مکرم محمود مجیب اصغر صاحب)

آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے

"ابراہیمؑ کے زمانہ پر ہزاروں برس دور ہمارے شفیع (صلی اللہ علیہ وسلم) پر چودہ سو برس گزرتے ہیں اور تو نے اور ایک ایک تیرے اس معاملہ میں مویدو ہم زبان' تیز زبان نوجوان امرتسری مولوی نے بھی اس طرح خطاب کیا ہے۔

"چاہئے کہ آج کل کسی اہل اسلام کو جو ملہم اور پیغمبر ہو کر خدا کے ساتھ عیسیٰ کی طرح باتیں کرنے کا دم بھرتا ہے۔ ایک لمبی چوڑی بھٹی کو آگ سے بھر کر بیچ میں پھینک دیا جائے اگر گلزار ہو جاوے تو سمجھیں کہ قرآنی معجزے سب سچ ہیں"

امرتسری مولوی پھر اپنی کتاب میں فرماتے ہیں۔

"یہ مرزا قادیانی کی طرف اشارہ ہے مرزا جی کے دوستو کیا کہتے ہو" (ترک اسلام)

...... ہم خدائے تعالیٰ کے فضل سے کامل یقین اور پورے اعتقاد سے دعویٰ کرتے ہیں اور تمہیں اور تمام جہان کو سناتے ہیں کہ ہمارا مہدی اور عیسیٰ بن مریم اس وقت موجود ہے اور اس کو وحی ہو چکی ہے۔ پھر سنو اور غور سے سنو اور وحی الہٰی جو امام زمان کو ہوئی ہے یہ ہے نَظَرْنَا اِلَیْکَ مُعَطَّرًاوَ قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ ۔ اس وحی الہٰی میں ہمارے مہدی علیہ السلام حضرت مرزا غلام احمد کو ابراہیم کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عالم الغیب قادر خدا نے یہ بھی وحی کی ہے "آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے" اور پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا کَمِثْلِکَ دُرٌّ لَا یُضَاعُ یعنی تیرے جیسا موتی ہرگز ضائع نہیں کیا جاتا.....

سنو تپش رشی نے تو خود آگ میں ہاتھ ڈالا تھا مگر ابراہیم علیہ السلام خود آگ میں نہیں کودے تھے اور نہ مومنوں مخلصوں راست بازوں اور اللہ کے رسولوں کا یہ فعل ہوتا ہے کہ اللہ کو آزمائیں بلکہ ان کو حکم ہے لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرہ:۱۸۶) یعنی اپنے تئیں خود ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس سنت الہٰی کی اتباع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں خود کود کر نہیں گرے بلکہ لوگوں نے کہا حَرِّقُوْہُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِھَتَکُمْ اِنْ

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ...... اب خدا تعالیٰ کی اس سنت کے موافق تم اور سارا جہان اور اس سفلی جہان کی ساری طاقتیں اور شوکتیں اور عداوتیں ہمارے امام مہدی اور مسیح کو آگ میں ڈال کر دیکھ لیں یقیناً خدا تعالیٰ اپنے زندہ اور تازہ وعدہ کے موافق اس مہدی کو اس طرح محفوظ رکھے گا جیسے پہلے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو محفوظ رکھا۔ یہ ہمارا آقا غلام احمد ہے اس لئے ضروری ہے کہ احمد، محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی اور اتباع کی برکات اور ثمرات اسے حاصل ہوں۔ جیسے خدا تعالیٰ نے اس کے متبوع کو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:۶۸) کا وعدہ دیا۔ یہ خدا کا مسیح اور مہدی یقیناً تمہاری آگ سے بچے گا اور ضرور بچے گا۔ اس نے طاعون جیسی آگ کی خبر دی کہ آنے والی ہے اور کہا کہ میرے لئے آسمان پر ٹیکا لگ چکا ہے اور زمینی ٹیکا بے کار ہو گیا۔

عیسائی لوگوں، برہموؤں، سکھوں اور آریہ سماج نے پھر خصوصیت سے لیکھرام کے واقعہ پر کیا آگ نہیں لگائی اور شیعہ، مقلد، غیر مقلد متصوفوں اور ان کے شرکاء نے کیا کوشش میں کمی کی ہے اور کیسی آگیں جلائیں۔ پھر سب خائب و خاسر ہوئے۔ اب ظاہری آگ یا اس سے بھی زیادہ آگ کو لگا کر دیکھو پھر دیکھو گے یہ تمہاری آگیں بھسم ہوتی ہیں کہ نہیں۔ یہ بھی رسولوں کے رنگ میں ہے۔ تم اعداء الرسل کی طرح اس کا مقابلہ کرو اور دیکھو اس موعود انبیاء اور جانشین خاتم الرسل و خاتم النبین کے لئے بھی اس طرح تمہاری آگ برد و سلام ہوتی ہے کہ نہیں۔ یاد رکھو وہ برد و سلام ہوگی اور ضرور ہوگی مگر تم نادانی سے کہتے ہو کہ وہ خود آگ میں جاویں۔ کیا یہ اتباع انبیاء و رسل ہے۔ دیکھو قرآن میں ہے حرقوہ سو تم بھی حرقوہ کا حکم اپنے ذریات اور سواروں اور پیادوں کو کرو، بس پھر دیکھو ابراہیم کی طرح آگ برد و سلام ہوتی ہے کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مرسل و مامور اپنے اعداء کے سامنے ناکام ہو کر نہیں مرے اور نہ ہلاک ہوتے ہیں اور نہ مارے جاتے ہیں۔ مامورین کے ساتھ جدال و قتال ہوتا ہے۔"

("نورالدین" طبع سوم۔ بحوالہ حقائق الفرقان جلد سوم۔ صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۲)

اللہ تعالیٰ کی حفاظت

"اس وقت ہمارے مرشد و مولیٰ تن تنہا ہیں۔ ہندو، سکھ، آریہ، عیسائی، شیعہ وغیرہ وغیرہ کل قومیں دشمن۔ رشتہ دار دشمن، سر پر باپ موجود نہیں۔ غرض اندرونی بیرونی دنیا دشمن ہو رہی ہے پر خدا کے بغیر کون اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔"

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۴۰۶)

حضرت مسیح موعود کی اولاد کا اکرام

حضرت خلیفہ المسیح الاول کی آخری بیماری کے دوران حضرت پیر منظور محمد صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے آج حضرت اقدس (مسیح موعود) کے اشتہارات کو پڑھ کر پتہ چل گیا ہے کہ "پسر موعود" میاں (بشیرالدین محمود احمد) صاحب ہیں۔ حضرت خلیفہ المسیح الاول نے فرمایا کہ:۔

"ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں"۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۳۶۹)

خلافت اولی میں فتنہ کا آغاز ہوا۔ ان لوگوں نے حضرت صاجزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو اس کا ہدف بنایا۔ ایسے ہی حالات میں ایک بار حضرت خلیفہ اول نے فرمایا:۔

"محمود مسیح موعود کا بیٹا ہے۔ اس پر جو زبان تیز کرے گا وہ یاد رکھے کہ محمد حسین (بٹالوی۔ ناقل) نے ایسا کیا اور اس کی اولاد گندی ہو گئی"۔

(الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۷۴ء بحوالہ الفرقان مئی جون ۱۹۶۵ء)

حضرت سیدنا محمود کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ آپ کھیل رہے تھے کہ حضرت خلیفہ اول نے محبت سے انہیں بیٹھ کر بازوؤں میں لے لیا اور فرمایا:۔

"میاں آپ کام کاج تو کچھ نہیں کرتے سارا دن بس کھیلتے رہتے ہیں"۔ صاجزادہ صاحب نے جواباً عرض کیا "جب ہم بڑے ہوں گے تو ہم بھی کام کریں گے"۔ روایت بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت خلیفہ اول کہیں کھو گئے اور فرمایا "خیال تو تمہارے پیو (یعنی والد محترم) کا بھی یہی ہے اور نورالدین کا بھی۔ واللہ اعلم بالصواب"۔

(بحوالہ حیات بشیر ۳۶۔۴۳۵)

ایک اور روایت حضرت مسیح موعود کے پوتے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفہ المسیح الثالث کے بارہ میں ہے کہ حضرت خلیفہ اول کی بیماری کے دوران ان کے والد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ وقت کے پاس بیٹھے تھے اور گھر سے صاجزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث) کی بیماری کی بار بار اطلاع آ رہی تھی اور صاجزادہ محمود احمد صاحب کو بلوایا جا رہا تھا لیکن وہ جانے میں متذبذب تھے۔ اس پر خلیفہ اول نے فرمایا:۔

"میاں وہ تمہارا بیٹا ہی نہیں مسیح موعود کا پوتا بھی ہے"۔ (روایت حضرت ام متین مریم صدیقہ صاحبہ)

ہمارے مرزا نے تو کئی نورالدین پیدا کر دئے ہیں

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی بیان کرتے ہیں کہ تحدیث نعمت کے طور پر میں یہاں اس واقعہ کا اظہار کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جب سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوہ والسلام سیالکوٹ شہر تشریف لے گئے اور وہاں حضور اقدس نے لیکچر فرمایا تو اس وقت یہ عاجز بھی اس جلسہ میں شریک تھا۔ اس جلسہ کی کاروائی سے ایک دن پہلے کی بات ہے کہ دوپہر کے کھانے کی تیاری میں ابھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کا وقفہ تھا اور چونکہ اس وقت عام لوگ ادھر ادھر گھوم رہے تھے اس لئے بعض منتظمین نے یہ تجویز کی کہ علماء میں سے کوئی تقریر شروع کر دیں تو لوگوں کا شور و شغب بھی دور ہو جائے گا اور احباب کو علمی فائدہ بھی پہنچے گا۔ چنانچہ بعض احباب کے اصرار پر مجھے تقریر کرنے کے لئے کہا گیا اور میں نے کھڑے ہو کر اس مجمع میں سورہ الحمد کے مختلف مطالب بیان کرتے ہوئے یہ بات بھی بیان کی کہ زمانہ کے نبی کے ظہور کے وقت ہر ایک چیز ہی اس کی صداقت پر شاہد ہوتی

ہے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان میں سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو مہدی کے مقام پر فائز کر کے سارے جہاں کے لئے مبعوث کیا ہے اور پھر تمام جہان میں سے ملک ہند کو چنا ہے اور پھر ملک ہند میں سے پنجاب کو چنا ہے اور پھر پنجاب میں سے علاقہ ماجھی کو چنا ہے اور ان تمام ناموں میں اللہ تعالیٰ نے بحساب ابجد ایسی مناسبت رکھی ہے کہ چشم بصیرت رکھنے والے انسان کے لئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی ایک اتفاقی دلیل بن جاتی ہے۔ چنانچہ ابجد کے لحاظ سے مہدی کے عدد بھی ۵۹ ہیں اور جہان کے عدد بھی ۵۹ ہیں اور "ہند" کے عدد بھی ۵۹ ہیں اور پنجاب کے عدد بھی ۵۹ ہیں اور ماجھی کے عدد بھی ۵۹ ہیں۔ علاوہ ازیں غلام احمد قادیانی کے اعداد جو پورے ۱۳۰۰ یعنی ایک ہزار اور تین سو بنتے ہیں ان سے بھی حضور کے دعوی بعثت اور مہدی کے ظہور کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جو سنہ ہجری کی تاریخ سے متعلق ہے۔ پس اس حساب سے ظاہر ہے کہ زمانہ جس مہدی کے انتظار میں چشم براہ ہے وہ اپنے نام اور مقام اور جائے ظہور کے لحاظ سے عددی مناسبت بھی رکھتا ہے۔

اس بات کو بیان کرنے کے بعد میں نے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کتاب کرامات الصادقین کی تفسیر کے مطابق جہاں حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ کے اسماء خمسہ کو پانچ دریاؤں سے تشبیہ دی ہے اس بات کو بھی سورہ فاتحہ سے پیش کیا کہ ان روحانی دریاؤں کے مقابل میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے لئے ایسے علاقہ کو انتخاب فرمایا ہے جو ظاہری پانچ دریاؤں کی وجہ سے پنجاب کہلاتا ہے اور اس میں حضور علیہ السلام کے ظاہر ہونے سے جہاں خدا تعالیٰ کے اسماء خمسہ کے روحانی دریا چلے ہیں وہاں ظاہری دریا بھی بطور نشان کے بہتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

میں نے جب تقریر ختم کی تو حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفہ اول بہت خوش ہوئے اور فرمایا:۔

"میں تو سمجھتا تھا کہ نورالدین دنیا میں ایک ہی ہے مگر اب معلوم ہوا ہے کہ ہمارے مرزا نے تو کئی نورالدین پیدا کر دئے ہیں"۔ (حیات قدسی صفحہ ۳۱ تا صفحہ ۳۳)

تائید الٰہی

حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول بیان فرماتے تھے کہ:۔

"ایک دفعہ کسی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کسی مخالف نے کوئی حوالہ طلب کیا.... حضرت صاحب نے بخاری کا ایک نسخہ منگایا اور یوں ہی اس کی ورق گردانی شروع کردی اور جلد جلد ایک ایک ورق اس کا الٹانے لگ گئے اور آخر ایک جگہ پہنچ کر آپ ٹھہر گئے اور کہا لو یہ لو۔ دیکھنے والے سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے اور کسی نے حضرت صاحب سے دریافت بھی کیا جس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب میں نے کتاب ہاتھ میں لے کر ورق الٹانے شروع کئے تو مجھے کتاب کے صفحات ایسے نظر آتے تھے کہ گویا وہ خالی ہیں اور ان پر کچھ نہیں لکھا ہوا.... آخر مجھے ایک صفحہ ملا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا اور مجھے یقین ہوا کہ یہ وہی

حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے"۔

(سیرت المہدی حصہ دوم۔ روایت ۳۰۶)

غیر معمولی حالات میں مسیح موعود کی کامیابی

سورہ ماعون کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس میں ایک باریک اشارہ ایک خاص یتیم اور مسکین کی طرف ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دنیوی تعلقات کو قطع کر دیا ہے اور دنیوی اموال اور جاہ و حشم کو بالکل ترک کر دیا ہے اور وہ خدا کی خاطر ایک یتیم اور مسکین بنایا گیا ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے اس کو اپنی ہستی کے ثبوت کے واسطے ایک حجت اور نشان مقرر کرکے دوبارہ دنیا میں داخل کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے اور وہ لوگ جو دنیا میں عام طور پر اپنی بے دینی کے باعث یتامی اور مساکین پر ظلم روا رکھتے ہیں وہ اپنی عادت کے مطابق آیات اللہ کے ساتھ ٹکر کھاکر اپنی بداعمالیوں کا آخری نتیجہ پالیتے ہیں۔

جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک یتیم اور مسکین، بے کس اور بے بس ایک اکیلا انسان سمجھا اور آپ کے ساتھیوں کو چند غرباء ضعفاء کے سوائے نہ پایا اور آپؐ کے قتل کے درپے ہوئے خدا تعالیٰ نے ان کے منصوبوں کو ایسا خاک میں ملایا اور ان کو ایسی ناکامی کا منہ آنحضرتؐ کے سامنے ہی دکھایا کہ اس کی نظیر تاریخ کے معرکہ ہائے جنگ میں نظر نہیں آتی۔

ایسا ہی اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کا ایک مرسل ہمارے درمیان موجود ہے جس نے آبائی عزت و جاہ اور اموال اور جاگیر کو اپنے خدا کی محبت کے آگے ہیچ جان کر سب کچھ ترک کیا اور گوشہ میں بیٹھ کر گمنامی کے درمیان اپنے خدا کی یاد کو سب باتوں پر ترجیح دی۔ دنیا نے اس کو یتیم اور مسکین دیکھا اور دنیا کے فرزندوں نے چاہا کہ اس مسکین کو کھانا نہ دے اور نہ اس کے ساتھ کوئی بات کرے اور اس کے حق میں سخت سخت کفر کے فتوے لگائے لیکن خدا تعالیٰ کا غضب ایسے کفر بازوں پر نازل ہوا اور ان کے نوجوانوں کو کھا گیا اور ان کے بچوں کو یتیم کر گیا اور ان کے گھروں کو ویران کر گیا پر وہ جس کے لئے کہا گیا کہ کوئی اس کو کھانا نہ دے اس کا گھر خدا نے ہر قسم کی نعمتوں کے ساتھ بھر دیا"۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء بحوالہ حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۴۷۸۔۴۷۹)

مرزا صاحب پر اعتراضات

"محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز اور اپنی قربانیوں میں دکھا دیا ہے کہ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے اپنی نصرتوں اور تائیدوں سے بتادیا کہ ہم اس کے ہیں اور اس کے دشمنوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ آج ابو جہل کو کون جانتا ہے۔ ماں باپ نے تو اس کا نام ابوالحکم رکھا تھا مگر آخر ابو جہل ٹھہرا۔ وہ سید الوادی کہلاتا مگر بدتر مخلوق ٹھہرا۔ وہ بلال جس کو ذلیل کرتے ناک میں نکیل ڈالتے اس نے اللہ کو مانا۔ اسی کے سامنے ان کو ہلاک کرکے دکھا دیا۔ غرض خدا کے ہو جاؤ وہ تمہارا ہو جائے گا۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں اعتراض مرزا صاحب پر کرتے ہیں مگر وہی اعتراض کرتے ہیں جو پہلے سے برگزیدوں پر ہوئے۔ انجام بتادے گا کہ راست باز کامیاب ہوتا ہے اور اس کے دشمن تباہ ہوتے ہیں۔" (حقائق الفرقان جلد چہارم۔ صفحہ ۵۰۷)

قرآن کریم کی اعجازی شان

حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"علماء اسلام فیج اعوج کے اثرات کے تحت قرآنی حقائق و معارف سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کی ترتیب ربط دعاوی اور دلائل کے متعلق اہل اسلام کو نیا علم کلام دیا۔ چنانچہ ۱۸۹۳ء میں جو امرتسر کے مقام پر عیسائیوں کے ساتھ آپ کا مشہور مناظرہ پندرہ دن تک ہوا اور جو جنگ مقدس کے نام شائع شدہ ہے اس میں آپ نے یہ عظیم الشان بات پیش کی کہ سچے مذہب کے پیروؤں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جو امر بھی پیش کریں اس کے متعلق دعوی اور اس کے اثبات میں دلائل اپنی الہامی کتاب سے پیش کریں۔ یہ بات درست نہیں کہ کسی مذہب کا نمائندہ اس مذہب کی طرف ایسا دعوی منسوب کرے جو اس مذہب کی الہامی کتاب میں نہ پایا جاتا ہو اور نہ اس کے اثبات میں دلائل الہامی کتاب میں موجود ہوں۔ جب حضور نے یہ نکتہ الہامی کتاب کے کامل ہونے کے متعلق پیش فرمایا تو حاضرین حیران ہو گئے۔

حضرت علامہ مولانا نورالدین صاحب نے جب یہ نکتہ سنا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ نکتہ پیش کر کے ہمیشہ کے لئے قرآن کریم کی بائیبل کے مقابل جیت ثابت کر دی۔ یہ وہ عظیم الشان نکتہ تھا جس کی حضرت اقدس علیہ السلام کو ہی مخالفین اسلام کے مقابل پر بفضلہ تعالیٰ توفیق ملی۔ فالحمدللہ علی ذالک

(حیات قدسی۔ حصہ پنجم۔ صفحہ ۱۴۹)

دعوت الی اللہ کیلئے مسیح موعود کی عظیم جدوجہد

"انبیاء کی دعوت ہمیشہ..... نہایت تاکید کے ساتھ بار بار لوگوں کو بلا کر اور مخاطب کر کے پہنچائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر خود اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے پیدا کر دی ہے۔ خدا کا مسیح کس قوت اور زور کے ساتھ دنیا کی تمام قوموں کے درمیان توحید کا وعظ کر رہا ہے نہ ایک دفعہ کہہ کر وہ خاموش ہو جاتا ہے بلکہ بار بار ہر ایک ذریعہ سے خدا کا پیغام دنیا کو پہنچاتا ہے۔ نہ صرف ایک زبان میں بلکہ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی، پشتو وغیرہ زبانوں میں اس کی تبلیغ کا آوازہ دنیا کے چار کونوں تک پہنچ رہا ہے۔ رسالوں میں اخباروں میں اشتہاروں میں زبانی تقریروں، قلمی تحریروں میں غرض کوئی ذریعہ تبلیغ کا اٹھا نہیں رکھا گیا اور آج دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں کے لوگ اس مسیح کے نام سے اور اس کے دعوے سے ناواقف ہوں۔"

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۵۱۲)

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیر

مغربی افریقہ میں سب سے پہلے احمدی "داعی الی اللہ"

(تحریر: سید مبشر احمد ایاز)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص "رفیق" اور سلسلہ احمدیہ کے پرانے خادم حضرت الحاج مولانا عبدالرحیم صاحب نیر کی پیدائش 1883ء میں ضلع جالندھر ریاست کپورتھلہ میں موضع پھگواڑہ کے قریب ایک گاؤں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم پھگواڑہ اور بھونگہ میں حاصل کی اور پھر رکوز ضلع بھڑائچ اودھ میں ملازمت شروع کی۔ 1901ء میں قادیان تشریف لائے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھتے ہی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ستمبر 1906ء میں مستقل طور پر قادیان تشریف لے آئے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں مدرس کے فرائض سرانجام دینے شروع کئے۔

کچھ عرصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پرائیویٹ سیکرٹری رہ کر 15 جولائی 1919ء کو حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے انگلستان تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد آپ مغربی افریقہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ 19 فروری 1921ء کو ساحل افریقہ پر قدم رکھا اور پھر مغربی افریقہ کے دیگر ملکوں نائیجیریا، غانا پہنچے۔ ان علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے بطور "مربی" آپ کو حیرت انگیز کامیابی بخشی اور ہزاروں ہزار افریقن حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ اور مغربی افریقہ میں احمدیت کے ذریعہ "دین حق" کا ایک مضبوط حصار قائم ہو گیا۔ چنانچہ ان دنوں حضرت مسیح موعود کے ایک اور "رفیق" حضرت نعمت اللہ صاحب گوہر نے مغربی افریقہ میں حضرت نیر صاحب کی اس نمایاں کامیابی سے متاثر ہو کر ایک طویل نظم کہی جس کے کچھ اشعار یہ تھے۔

احمد کے نام لیوا جس جس زمیں میں پہنچے
بام فلک سے نیرؔ کرنے سلام آیا
شیریں کلام ان کا سننے کو خلق دوڑی
ہر جا پہ طالبوں کا گرد اژدھام آیا
زنگی ہو یا فرنگی پینے کو رام رنگی
لیکر کوئی صراحی اور کوئی جام آیا

مغربی افریقہ میں قریباً دو سال خدمت دین کا فریضہ سرانجام دینے کے بعد صحت کی خرابی کی بناء پر آپ لنڈن واپس تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً مزید دو سال کام کرنے کے بعد 1924ء میں قادیان واپس آ گئے۔ 5 سال تک دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں بھوپال اور حیدر آباد میں خدمات سرانجام دیں اور پھر قادیان میں مختلف اداروں میں خدمات بجا

لاتے رہے۔ 1947ء میں تقسیم ملک کے بعد آپ گوجرانوالہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ جہاں 17 ستمبر 1948ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

حضرت مولانا ایک خوش خلق، ملنسار، ہنس مکھ، بے ضرر، غریب پرور اور نافع الناس وجود تھے۔ مغربی افریقہ میں جس لگن، جوش و جذبے اور محبت کے ساتھ آپ نے دعوت الی اللہ کا کام کیا اور بنی نوع انسان سے ہمدردی اور محبت کا جو بے نظیر نمونہ پیش کیا وہاں کے لوگوں میں اس کی یاد ابھی تک قائم ہے۔ سیرالیون کے لوگ اب تک اس محبت کو یاد رکھے ہوئے ہیں اور اپنے بچوں کا نام "نیر" رکھ کر اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر کے بارے میں حضرت مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری رقم فرماتے ہیں۔

" ایک دفعہ فری ٹاؤن کے سرکردہ مسلمان مسٹر احمد الہادی ماسٹر آف کورٹس سے حضرت نیر صاحب کا ذکر چل پڑا کہنے لگے نیر صاحب کیا تھے ایک چلتا پھرتا جادو تھے۔ ایک روز ہزاروں کے مجمع میں لگاتار پانچ گھنٹے تقریر کرتے رہے سامعین پر وجد کا عالم طاری تھا یہاں تک کہ پانچ گھنٹے تقریر سننے کے بعد لوگوں کا اصرار رہا کہ تقریر جاری رکھیں۔ خصوصاً جب قرآن کریم ترتیل سے پڑھتے تو حاضرین جھوم جھوم جاتے۔ جتنا عرصہ وہ ہمارے شہر میں رہے جدھر جاتے بیسیوں لوگ پیچھے ہوتے ایسا معلوم ہوتا کہ سارا شہر احمدی ہو گیا ہے۔ ہر کام کا فن ہوتا ہے۔ تبلیغ کے فن میں نیر صاحب کو کمال حاصل تھا۔ بازار میں جاتے تو ایک ہاتھ میں قرآن کریم اور دوسرے ہاتھ میں بائبل ہوتی اور ہر ایک کو دعوت دیتے آؤ بھائی مقابلہ کراو کونسی کتاب افضل و اعلیٰ کامل و اکمل اور بہتر و احسن ہے اور کونسی کتاب اب ناقابل عمل اور ادنیٰ ہے۔ آؤ' آؤ میدان میں آؤ۔ پھر فرماتے کہ سب سے بڑی دلیل الہامی کتاب کی صداقت کی یہ ہے کہ وہ خود الہامی ہونے کا دعویٰ کرے۔ قرآن کریم میں ایسا دعویٰ بھی ہے اور دلائل بھی ایک نہیں ہزار ہا دلائل۔ مگر بائبل میں نہ ایسا دعویٰ ہے نہ دلائل۔"

(پرور یادیں صفحہ 13)

سیرالیون کے نائب وزیر اعظم آنریبل سنوسی مصطفیٰ اپنی انہیں یادوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

" جماعت احمدیہ نے اس ملک (سیرالیون) میں (دین حق) کی صحیح تصویر پیش کر کے ملک و ملت کی بہت خدمت کی ہے' مجھے یاد ہے جب میں فری ٹاؤن کے ایک سکول میں طالبعلم تھا تو جماعت احمدیہ کا پہلا مبلغ فری ٹاؤن میں آیا لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ مگر اس کے علم و فضل کی اس قدر دھاک بیٹھ گئی کہ لوگ اس کے علم و فضل کا برملا اقرار کرنے لگے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں بائبل اور وہ دونوں کا مقابلہ کر کے قرآن کی فضیلت اس طرح ثابت کرتا تھا کہ کوئی عیسائی پادری اس کا جواب نہ دے سکتا تھا۔"

(پرور یادیں صفحہ 21)

مغربی افریقہ کی مذہبی حالت اس وقت کیسی تھی؟ وہاں دعوت الی اللہ کے لئے کن کن مشکلات کا سامنا تھا۔ افریقہ کے یہ اولین مجاہد داعی الی اللہ اپنے ایک تفصیلی خط میں ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے نائیجیریا سے مئی 1921ء کو ہندوستانی احمدیوں کے نام تحریر کیا جو کہ الفضل 13 جون 1921ء میں شائع ہوا۔ اس کے کچھ اقتباسات قارئین کی خدمت میں

پیش ہیں۔ آپ اس خط میں افریقہ کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہندوستان اور دنیا کے مسلمان سمجھتے ہیں کہ افریقہ میں اسلام ترقی کر رہا ہے......... مگر یہاں حالات بالکل اس کے برعکس ہیں اس وقت مغربی افریقہ بالکل عیسائی ہے۔ سرکاری عہدے، تعلیم، دولت، عزت، وجاہت، تجارت سب عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جہالت، غربت، نااتفاقی اور باہمی چھینا جھپٹی یہاں ان کے مسلمانوں کا حصہ ہے۔ سوائے نائیجریا کے باقی ممالک کے اصل باشندے اکثر عیسائی یا بت پرست ہیں اور عیسائیت دن بدن سب جگہ ترقی کر رہی ہے۔ سیرالیون میں صرف مسیحی کالج اور سکول ہیں اور مسیحی فرقہ کے واعظ پوری تندہی سے مذہب کی تبلیغ میں مصروف ہیں..... گھانا عملاً سب کا سب عیسائی ہے۔ بعض رؤوسا جو مسلمان تھے ان کے مرنے کے بعد اب ان کے قائمقام مسیحی ہو چلے ہیں.....

برادران! امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بگڑی ہوئی حالت کا درست کرنا اور اس کو تاریکی میں روشنی دکھانا پھر (دین حق) کو شیطان کے حملوں سے بچانا آپ کا کام ہے۔ مغربی افریقہ کا ہر گاؤں ہر قصبہ اور ہر شہر مسیحی مناروں سے بھرا پڑا ہے۔ ان کے سکول ان کے کالج ان کا اثر و نفوذ اور حکومت کا ہر طرف زور ہے۔ ہزاروں میل کے رقبے اور لاکھوں انسانوں میں میں صرف تن تنہا ہوں۔ مجھے نہ صرف خوراک اور آب و ہوا سے جنگ کرنا پڑ رہا ہے بلکہ حکام کی غلط فہمیوں سے بھی سابقہ پڑ رہا ہے اور گو میں ان تمام مشکلات اور تشویش کی حالت میں حضرت نعمت اللہ ولی" کا شعر پڑھتا اور دل کو بہلاتا ہوں۔

غم مخور زانکہ من دریں تشویش
خرمی وصل یار می بینم

لیکن میرا دل پگھل رہا ہے اور

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید
دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

کا سماں میری آنکھوں کے سامنے آکر مجھے بے تاب کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا میرا کوئی اور حامی نہیں۔......

برادران! وہ جو گرمی میں برف اور شربت پی کر پیاس بجھاتے ہیں ان سے کہدیں کہ یہاں احمدی مبلغ کو کنویں کا پانی بھی میسر نہیں آتا اور اسے بعض دفعہ پیاس بجھانے کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں اور جو گھوڑوں بگھیوں موٹروں اور بیل گاڑیوں میں پھرتے ہیں ان سے کہدیں کہ یہاں داعی (دین حق) کو گھنے جنگلوں میں سے پیدل گذرنا پڑتا ہے۔ وہ جو دودھ گھی وغیرہ سے تیار شدہ مٹھائیاں استعمال کرتے ہیں ان کو بتلائیں کہ خادم احمد کے لئے یہاں یہ چیزیں خواب ہیں کیوں؟ محض اللہ کی خاطر اس کے رسولؐ کی خاطر، حفاظت و اشاعت (دین حق) کی خاطر، پس مبارک ہے وہ جو اس مسافر سرگرداں دیس بدیس در بدر پھرنے والے فقیر اور ادنیٰ مجاہد کی صدا پر لبیک کہے......" (الفضل 9/13 جون 1921ء)

افریقہ میں احمدیت کے اس اولین مجاہد کی قربانیاں اور دعائیں بالآخر رنگ لائیں اور جماعت احمدیہ کے ذریعہ دین حق کو ترقی اور روحانی فتوحات نصیب ہونا شروع ہوئیں اور عیسائیت کو آخر کار پسپائی اختیار کرنا پڑی اور راہ فرار اختیار کرنے پر عیسائی مناد مجبور ہوئے۔ دین حق کی اس غیر معمولی

ترقی کا اعتراف کرتے ہوئے مشہور امریکن عیسائی مبلغ اور مناد ڈاکٹر بلی گراہم نے کہا:

" میری حالیہ تحقیق کے مطابق افریقہ میں (دین حق) کی ترقی کی رفتار عیسائیت کی نسبت بہت زیادہ تیز ہے..... جہاں تین افراد عیسائیت میں داخل ہوتے ہیں وہاں اس کے مقابل سات افراد (دین حق) قبول کرتے ہیں گویا سات اور تین کی نسبت ہے، بعض عیسائی لیڈروں کے نزدیک دس اور ایک کی نسبت ہے۔"

(رسالہ ٹائمز 15 فروری 1960ء بحوالہ الفضل 17 مئی 1960ء)

اسی طرح ایک Swiss روزنامہ لکھتا ہے۔

"اس وقت افریقہ میں حالت یہ ہے کہ اگر ایک باشندہ عیسائیت قبول کرتا ہے تو ہمارے اندازے کے مطابق اس کے بالمقابل بائیس افریقی باشندے (دین حق) کے حلقہ بگوش بن جاتے ہیں اور مذکورہ بالا احمدیہ جدوجہد یقیناً اس ایک اور بائیس کی نسبت کو اور بھی زیادہ بڑھا دے گی اور یہ امر عیسائیت کے لئے مزید نقصان کا موجب ہوگا۔"

مغربی افریقہ میں احمدی داعیان کے ذریعہ دین حق کی ترقی اور فروغ کا ذکر کرتے ہوئے سیرالیون کے سابق نائب وزیر اعظم۔ آنریبل مصطفیٰ سنوسی فرماتے ہیں۔

"جماعت احمدیہ کے مبلغین نے بروقت افریقہ پہنچ کر افریقن مسلمان کو نہ صرف جگایا اور ہوشیار کر دیا بلکہ انہیں عیسائیت کے مضبوط ہتھکنڈوں اور گمراہ کن جال سے بچانے کا ایک نہایت اہم اور قابل قدر کردار ادا کیا ہے اس لئے ہم مغربی افریقہ کے مسلمان لیڈر باوجود باقاعدہ احمدیت میں شامل نہ ہو سکنے کے جماعت احمدیہ کے بے حد شکر گزار ہیں اور ان کی مساعی کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

(بحوالہ الفضل 8 اگست 1964ء)

افریقہ میں "دین حق" کا نام بلند کرنے والے اور قابل رشک قربانیاں کے ساتھ افریقہ کے جنگلوں اور تپتے ہوئے صحراؤں میں ایک خدا کی طرف بلانے والوں کی قربانیوں خدا کے فضل سے رنگ لا رہی ہیں اور اب ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ خدائے واحد کی اطاعت کا جوا پہن کر محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام عقیدت و محبت سے لے رہے ہیں۔ افریقہ میں ہر دین حق قبول کرنے والی روح ان مجاہدین کو سلام کرتی ہے۔ ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم اپنے ان بزرگان کے درجات کی بلندی کیلئے دعا کریں اور ان مجاہدین کی فتح و نصرت کیلئے بھی جو دنیا کے کسی بھی گوشے میں خدائے واحد کی طرف بلانے میں مصروف ہیں۔ اپنی دعاؤں اپنے اموال اور اپنی کوششوں کے ساتھ ان تمام مجاہدین کو سلام پیش کریں۔ عقیدت و محبت کا سلام۔ عزم و ہمت کا سلام۔ کہ یہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ اور ہمیں فخر ہے کہ ہمارے بزرگ یہ لوگ تھے۔ فجزاھم اللہ عنا احسن الجزاء

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیر کے ایک پیغام کو پیش کر کے مضمون ختم کرتا ہوں۔ یہ پیغام آپ نے ایک خط کے ذریعہ نائیجیریا سے تمام احمدیوں کے نام بھیجا تھا اس میں آپ لکھتے ہیں۔

"اے وے تمام لوگو! جو دل میں (دین حق) کا درد رکھتے ہو اور اپنے تئیں (دین حق) کے شیدائیوں میں شمار کرتے ہو اور حفاظت (دین حق) کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بقیہ صفحہ 35 پر

ایم۔ ٹی۔ اے اور احمدیت

(مضمون نگار مکرم طارق رشید صاحب۔ کوئٹہ)

احمدیت کا آغاز 23 مارچ 1889ء کو ہوا یہ وہ وقت تھا جب کہ

کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیان کدھر

اور اس سے بھی بہت پہلے یعنی براہین احمدیہ جو کہ 1884ء میں چھپ چکی تھی اس کے اندر یہ پر شوکت اور حیرت انگیز کلام الٰہی موجود ہے کہ "میں تیری کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" درحقیقت زمین کے کناروں تک ("دعوت") پہنچانا کسی فرد بشر کا کام ہے ہی نہیں۔ آج کی دنیا پر اگر غور کریں کس قدر وسیع ہے۔ لاس اینجلس سے جاپان تک اور شمال میں ناروے کی حدود سے لے کر قطب جنوبی کے اندر اس قدر وسیع ایک دنیا آباد ہے کہ اس وسیع میدان کو عبور کرنا کسی انسانی طاقت کے بس میں نہ تھا۔ فی الوقت 200 کے قریب چھوٹے بڑے ممالک اس زمین پر موجود ہیں۔ ان کے اپنے اپنے ویزے پاسپورٹ اور قوانین ہیں۔ پھر سفر کی مشکلات' مذاہب کی دیواریں' زبانوں کی رکاوٹیں اور پھر قوموں کی آپس کی نفرتیں اور دشمنیاں ہیں۔ ان حالات میں " " کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان حالات میں کسی کا یہ الہام پانا کہ میں یعنی خدا تعالیٰ تیری کو یعنی تیری تعلیمات اور تالیفات اور رسائل اور تحریر اور تقریر اور دیگر کوششوں کو خود اپنے فضل سے اور رحم سے زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ اپنی ذات میں یہ خود ایک عظیم الشان نشان ہے۔

یہ درست ہے کہ گزشتہ 80-90 سال میں سینکڑوں مبلغین دنیا کے کونے کونے میں گئے اور احمدیت کا پیغام اور لٹریچر پہنچانے کی کوشش کی مگر حقیقت حال کو اگر دیکھا جائے تو انکا رابطہ کس قدر انسانوں سے ممکن ہوا ہے۔ اس سے زیادہ لوگ تو دنیا میں ہر روز پیدا

بعض گزشتہ بزرگوں نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر امام مہدی کے ظہور پر بعض ایسی علامات بھی بیان کیں جو کسی طرح بھی وقت سے پہلے کسی کے عقل و فہم میں نہیں آسکتی تھیں۔ مثلاً شیعہ بزرگوں نے ظہور امام مہدی کی ایک نشانی یہ بھی بیان کی ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو ساری دنیا یعنی شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کے عوام الناس امام مہدی کو افق آسمان پر دیکھیں گے۔ یہاں تک بھی لکھا ہے کہ وہ لوگوں سے انکی زبان میں بات کرے گا اور لوگ اس کی بات اپنی زبان میں سمجھ جائیں گے۔ اسی طرح ایک مشہور روایت ہے کہ جب امام مہدی تشریف لائیں گے تو آسمان سے آواز آئے گی۔ هٰذا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِي یہ ہے اللہ کا خلیفہ مہدی۔

ان دو روایات پر غور کرنے سے عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے نشانات کس کس رنگ میں پورے ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ درحقیقت کچھ عرصہ پہلے تک ان جملوں کی یا ان روایات کی کوئی نہ کوئی عقل و فہم کے قریب تر تاویل کرنی پڑتی تھی۔ مگر ہم تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل سے اب اپنی آنکھوں سے خود افق آسمان پر امام مہدی کا دیدار کر رہے ہیں۔ اور ہر شخص اپنی زبان میں امام مہدی کی آواز سن رہا ہے۔ (جو کہ اس کے خلیفہ کی صورت میں ہم تک پہنچ رہی ہے) اور شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک ہر فرد و بشر اس عجیب نشان کا گواہ ہے۔ اگر تقویٰ اور انصاف کی نظر ہو تو صرف یہی ایک نشان یعنی MTA کا ظہور ہی احمدیت کی سچائی اور حقانیت کیلئے بہت بہت کافی ہے۔

ہو رہے ہیں۔ الغرض یہ الہام بھی اگر صحیح رنگ میں اپنی تکمیل کو پہنچا تو ہماری آنکھوں کے سامنے MTA کے ذریعہ ہی ممکن ہوا ہے۔ اگر کسی میں تقویٰ اور انصاف ہو تو یہ اس کے لئے دوسرا نشان ہے یعنی الہام الٰہی کا اس عجب رنگ میں پورا ہونا۔

MTA کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کے عظیم نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ جہاں احمدیت کے جھنڈے آسمانوں پر لہرا رہے ہیں وہاں دشمن اور بدخواہ تھک ہار کر نیچے کھڑے غیض و غضب سے دانت پیس رہے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو دشمن کی گزشتہ سو سالوں میں ایک ہی بڑی کوشش رہی ہے کہ احمدیت کی اشاعت کو روکا جائے۔ ظلم و جبر سے' دھونس دھاندلی سے' آرڈیننسوں اور قوانین سے' آئینی ترامیم سے' جلسے جلوس سے' گھیراؤ جلاؤ سے' کتابیں رسائل ضبط کرنے سے' احمدیوں پر مقدمات قائم کرنے سے' انکو قید میں ڈالنے سے۔ کونسا ایسا حربہ ہے جو دشمن نے احمدیت کے خلاف استعمال نہ کیا اور کونسا ایسا ذریعہ ہے جو بروئے کار نہ لایا گیا۔ مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ ہر قدم پر اس کارواں کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ جب دشمن نے اشاعت اور پریس پر پابندی لگا دی تو خدا تعالیٰ نے ہر ملک میں پریس دیا رسائل اور جرائد دئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضلوں کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو ختم ہونے کو نہیں آرہا۔

اس زمانے کا سب سے بڑا ہتھیار ایٹم بم یا ہائڈروجن بم نہیں۔ اس زمانے کا سب سے بڑا ہتھیار سب سے بڑا حربہ میڈیا Media ہے۔ دنیا کے دانشور اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ میڈیا کے ذریعہ سے یورپ اور امریکہ نے روس کے ٹکڑے کر دئے۔ دنیا کے کلچر اور تہذیب کو ہلا کر رکھ چھوڑا۔ صدیوں سے نسل در نسل چلی آنے والی خوبصورت اخلاقی قدروں کا رنگ و روپ تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ چادر اور چار دیواری کا تصور اب خواب ہوتا جا رہا ہے۔ نسلیں تباہی کی طرف اعلانیہ جا رہی ہیں اور یہ باتیں بموں اور دھماکوں سے نہیں ہو رہیں۔

خدا تعالیٰ نے احمدیت کو اس زمانے کا سب سے بڑا ہتھیار MTA کی صورت میں عطا فرما دیا ہے۔ اب آسمان سے ساری دنیا میں منادی ہو رہی ہے۔ ایک امام برحق خدا کا کلام ساری دنیا کو سنا رہا ہے اور کئی زبانوں میں پہنچا رہا ہے اور لاکھوں کروڑوں انسان اپنی اپنی زبانوں میں اس برحق امام کی آواز میں کلام الٰہی سن رہے ہیں۔ یہ ہے وہ پیشگوئی **هذا خليفة الله المهدى** جس حربے سے دجال ساری دنیا کو اپنے دجل و فریب اور دھوکے کے جال میں پھانسنا چاہتا ہے اس کے خلاف اسی کے ہتھیار کو ایم ٹی اے کی صورت میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک مزید نشان حقیقت ہے کہ مقابلہ برابر کا ہے اور فتح یقیناً حق کی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

جس رفتار سے احمدیت دنیا میں پھیل رہی ہے یہ ناممکن تھا کہ امام وقت ایم ٹی اے کے غیر معمولی ذریعے کے بغیر اپنی جماعت کی حفاظت اور تربیت کر سکتے۔ امام وقت کا حقیقت حال سے باخبر رہنا اس وسیع دنیا میں ممکن ہی نہ تھا اور احمدیوں کا بھی اپنے امام سے کوئی بامعنی مفید اور مضبوط زندہ رابطہ' مستقل قائم نہ رہ سکتا تھا۔ ایک تو تعداد لاکھوں سے کروڑوں میں پہنچ رہی ہو پھر ایسی صورت میں محض خط و کتابت کا سلسلہ ہرگز اس عظیم الشان تعلق کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا جو ایک مرشد اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کے لئے ضروری ہوا کرتا ہے۔ درحقیقت جس قدر یہ تعداد بڑھ رہی تھی اور فاصلے بڑھ رہے تھے قلبی تعلق کا اور ذاتی تربیت کا راستہ اسی قدر تنگ اور مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ اب دیکھئے کہ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ ہر احمدی اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے کانوں سے امام وقت کے فرمودات اور ارشادات بغیر کسی لمحہ کی تاخیر کے سن رہا ہوتا ہے اور امام وقت کو یہ ذریعہ حاصل ہو گیا ہے کہ وہ پوری زمین اور ساری دنیا میں بکھری ہوئی جماعت کو اپنی ہدایات اور فرمودات سے ایک ہی وقت میں سرفراز فرماتا ہے اور ساری دنیا ایک مضبوط اور مجسم وجود کی طرح اپنے امام کے ہاتھ سے براہ راست تربیت پا رہی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا اس قدر فضل و احسان ہے کہ اس حقیقت کو ایک عام آدمی نہیں پا سکتا۔ اب کوئی دوری نہیں آسکتی اب فاصلے مٹ جائیں گے اب روزانہ کا وصال ہے قرب ہے حضور کے ہر لمحہ کی خبر ہے۔ آج

حضور کی صحت اچھی ہے۔ آج گلے میں خراش پیدا ہو گئی تھی۔ آج فلاں دوا کھائی تو آرام آ گیا تھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہمارے گھر میں رہتے ہوں۔ روح کی گرمی براہ راست روحوں میں منتقل ہوتی ہے امام کا دل دھڑکتا ہے تو ساری جماعت اس دھڑکن کو سن سکتی ہے۔ غرض کہ ایم ٹی اے نے امام وقت اور جماعت کو ایک وجود بنا دیا ہے۔ بھلا یہ قربتیں یہ لطف کہاں کے ہیں یہ ایم ٹی اے ہی کے ہیں یعنی خدا کے فضل و احسان کے ہیں۔

فتنوں کی گنجائش ختم ہوئی اتنی قربتوں میں ان کے لئے اب کوئی جگہ نہیں بچی۔ ادھر امام کا حکم ہوا ادھر تعمیل ہوئی۔

خدا کے ان فضلوں کو جذب کرنے کے لئے ایم ٹی اے سے بھرپور استفادہ کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ ورنہ کفران نعمت ہوگا۔ ہر فرد جماعت ان باتوں پر غور کرے اور اپنے اوقات کو ایسے ترتیب دے کہ ایم ٹی اے کے پروگراموں میں خصوصاً حلقہ درس اور خطبات جمعہ میں امام کے سامنے بیٹھے اور اس کی محفلوں میں شریک ہو۔ یہ بات اس قدر ضروری ہے کہ اس دنیاوی دور میں روحانی زندگی کی ضمانت ہے۔ ہر برائی اور غلطی اور ہر وسوسے کا حل ہے۔ اپنے اور اپنے بچوں کے دلوں میں شروع ہی سے ایم ٹی اے کو جگہ دیں ورنہ بعد میں جگہ بنانی مشکل ہو جائے گی۔ مثلاً دعوت الی اللہ کے میدان میں ہمارا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ جس شخص تک مخالفانہ لٹریچر یا غلط تعلیم نہیں پہنچی ہوتی اس کو بات سمجھانا ایسے شخص کی نسبت کافی آسان ہوتا ہے جو غلط اور جھوٹے ذرائع سے علم حاصل کر کے اپنا ایک Concept بنا چکا ہوتا ہے۔ جو کہ بالکل غلط ہوتے ہوئے بھی وہ اس کو صحیح سمجھتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم یا ہمارے بچے انڈین فلموں یا گندے پروگراموں کو اپنے دل میں جگہ دے دیں گے تو ایم ٹی اے کی جگہ کہاں بچے گی اس لئے ان دجالی حربوں سے ہوشیار رہیں۔

حضور کی محفلوں میں بیٹھیں، خطبات اور سوال و جواب کے تمام پروگرام خود بھی دیکھیں اور اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بھی دکھائیں۔ دیکھئے یہ خدا کا اس قدر فضل و احسان ہے کہ اس سے فائدہ نہ اٹھانا بہت ہی بڑی بدنصیبی ہوگی۔ خدا کا سلسلہ تو بہرحال آگے بڑھ رہا ہے اور بڑھے گا اور پھیلے گا اور پوری دنیا پر محیط ہو جائے گا۔ مگر ہمارا حصہ اس میں کس قدر ہے؟ ہم کس قدر معرفت اور عرفان حاصل کر چکے ہیں؟ ہم کس قدر اللہ تعالیٰ کے راستے میں وفاداری دکھا سکتے ہیں؟ ہم نے کیا اس کے حضور پیش کیا؟

در حقیقت ہم ہی اس کے فضلوں کے محتاج ہیں وہ تو غنی ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

"جو کام اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کے رسول کی برکات کے اظہار اور ثبوت کے لئے ہوں اور خود خدا تعالیٰ کے اپنے ہی ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہو پھر اس کی حفاظت تو خود فرشتے کرتے ہیں۔ کون ہے جو اس کو تلف کر سکے۔ یاد رکھو میرا سلسلہ اگر نری دوکانداری ہے تو اس کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یقیناً اسی کی طرف سے ہے تو ساری دنیا بھی اس کی مخالفت کرے یہ بڑھے گا اور پھیلے گا اور فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔ اگر ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کوئی بھی مدد نہ دے تب بھی میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ سلسلہ کامیاب ہوگا......."

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 148)

ہمیں چاہئے کہ ہم خدا تعالیٰ کے ان عظیم الشان فضلوں اور نشانوں کو شناخت کرنے والے اور سمیٹنے والے بنیں۔ اپنے آپ کو اور اپنے خاندانوں کو اس نور سے منور کریں۔ اور اپنی کمزوریوں کو دور کرتے ہوئے اس عظیم الشان ذریعہ ابلاغ یعنی ایم ٹی اے کی وساطت سے امام وقت کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کریں۔

تازہ بستیاں آباد

(مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب سویڈن)

مہاجرت انسانی زندگی کا ہمیشہ سے حصہ رہی ہے کیونکہ انسان ایک ہی ماحول یا ملک میں تنگی ترشی یا عدم استحکام کے آثار دیکھتا ہے تو اس جگہ سے نقل مکانی کر جاتا ہے۔ انسانی زندگی کا ارتقاء مہاجرت کی گوناگوں کیفیتوں کا مظہر رہا ہے اور ہے۔ قیام پاکستان کے وقت برصغیر ہند میں بھی ایک عظیم مہاجرت وجود میں آئی۔ اس ہجرت کو بیسویں صدی کی سب سے بڑی ہجرت قرار دیا گیا کیونکہ لکھو کھہا انسان اپنے پرکھوں کا وطن چھوڑ کر اپنے نئے وطن کی طرف چل پڑے۔ وہ وطن جس کا خواب ان لوگوں نے دیکھا تھا امن، سکون، آشتی اور آزادی کا وطن! اس وطن تک پہنچنے میں بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ کچھ راہ میں کھیت رہے کچھ یہاں پہنچ کر غریب الوطنی کے آلام کا شکار ہوئے۔ میں 1990ء میں دوسری بار مہاجرت کا شکار ہوا تو میں نے انگریزی میں ایک نظم لکھی۔ اس نظم کا اردو میں اب تک ترجمہ نہیں ہوا مگر اس نظم نے یہاں کے ادبی حلقوں میں بہت داد و تحسین وصول کی۔ اس انگریزی نظم کا اردو ترجمہ درج کر رہا ہوں۔ اس نظم کا عنوان تھا۔

"دو نسلوں کا فرق"

"نصف صدی پہلے

میرے آباؤ اجداد نے، آزادی اور اطمینان کی خاطر

اپنے خوابوں کی سرزمین کی طرف

مہاجرت اختیار کی

نصف صدی کے بعد ان کی اولاد نے بھی انہی مقاصد کی خاطر مہاجرت کی

مگر ایسی سرزمین کی جانب

جو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی؟"

یہ داستان پہلی مہاجرت کے بعد کی داستان ہے۔ ہم لوگ قادیان سے نکلے تو انفرادی طور پر جہاں جہاں، جس جس کے سینگ سمائے جا بیٹھا۔ مگر جماعت کو بہرحال ایک مرکز درکار تھا۔ بنا بنایا مرکز کہاں سے آتا؟ جماعت کو کسی ایسے خطہ زمین کی ضرورت تھی جہاں وہ اپنا مرکز تعمیر کر کے اپنے مشن کو جاری رکھ سکے۔ ادھر قدرت مہربان تھی اس نے صدیوں سے ایک بے آباد قطعہ زمین اسی مقصد کے لئے مختص کر رکھا تھا۔ یہ بے آب و گیاہ خطہ زمین دریا کے کنارہ پر ہونے کے باوجود روئیدگی سے عاری تھا۔ ڈاکٹر وزیر آغا صاحب نے بعد میں مجھے بتایا کہ یہ علاقہ اتنا بے آباد اور خوفناک تھا کہ ہم لوگ دن کے وقت بھی یہاں سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے اور موٹر کی رفتار تیز کر دیا کرتے تھے۔ شور سے بھرپور زمین اور کالے کالے پہاڑ، پرانا سا قبرستان۔ خوف کے سارے قرینے موجود تھے۔ بہت سے لوگ اس قطعہ زمین کو دریا سے پانی اٹھا کر یا زمین سے پانی نکال کر اسے سیراب کرنے میں ناکامی کا اعلان کر چکے تھے اور لاکھوں روپیہ برباد کر چکے تھے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ نے جب اس بے آب و گیاہ اور بانجھ خطہ زمین کو چنا تو اردگرد کے لوگوں نے یہی سوچا ہو گا کہ عجیب سرپھرے لوگ ہیں اس بنجر زمین کو لے کر کیا کریں گے؟ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ یہ جماعت واقعی "سرپھروں" کی جماعت ہے۔ (لیکن خدا کی محبت میں "سرپھرے" اور اسی کی محبت کی خاطر) ظاہری مشکلات اس جماعت کا رستہ نہیں روک سکتیں۔

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد!

ہم لوگ قادیان سے چلے تو اپنے آبائی گاؤں چنگا بنگیال ضلع راولپنڈی میں جا کر رکے کیونکہ اباجی دوسرے ساتھیوں کے ساتھ قید کر لئے گئے تھے۔ 1948ء میں جب سیاسی قیدیوں کا تبادلہ ہوا تو رہا ہو کر پاکستان آئے۔ ان کے آنے کے بعد ہم لوگ ربوہ آئے۔ اس وقت میں ورنیکولر فائنل کا امتحان دینے والا تھا مگر اباجی کو مرکز میں حاضری دینا تھی اس لئے اللہ میاں نے اس آزمائش سے بچالیا۔

رکھ لی مرے خدا نے میری بیکسی کی شرم!

تعلیم الاسلام ہائی سکول چنیوٹ میں اور جامعہ احمدیہ احمد نگر میں تھا۔ ربوہ میں ہماری عمر کے بچوں کا کوئی سکول نہیں تھا۔ ربوہ میں کچے مکانوں کی آبادی تھی۔ لمبی لمبی قطار میں کچھ اینٹوں سے بنے ہوئے مکان، انجمن کے دفاتر کا بھی یہی اسلوب تھا۔ تین چار لمبی بیرک نما عمارتیں تھیں جنہیں چھوٹے چھوٹے کمروں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہم بچوں کو دفاتر کی طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ صرف ایک دو بار اباجی کو بلانے کے لئے جانا پڑا کیونکہ امی بہت بیمار تھیں۔ آخر اسی بیماری میں انہوں نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی اور ربوہ کے بہشتی مقبرہ کے اولین آبادکاروں میں شمار ہوئیں۔ یہ 1951ء کی بات ہے۔ اس وقت میں دسویں جماعت میں تھا اور چند مہینوں بعد میٹرک کا امتحان دینے والا تھا۔ اسی لئے گھر کے اداس اور پریشان ماحول سے دور رکھنے کے لئے اباجی نے سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں داخل کروادیا۔ مگر ہمارا سارا وقت رحمانی صاحب کے ہاں پھوپھی صوفیہ مرحومہ کے ہاں گذرتا تھا۔ سردار مصباح الدین صاحب کے گھر والوں سے اور سردار نذر حسین صاحب بلوچ کی بیٹی آپا لطیفی کے ساتھ قادیان سے تعلق تھا اس لئے ان لوگوں نے ماں کا غم بھلا دیا اور ہم امتحان دے کر ربوہ آگئے۔

ربوہ کے ابتدائی دنوں کی آبادی خیموں میں تھی ہم نے خیمے نہیں دیکھے۔ مگر عبدالسلام صاحب اختر نے خیموں کا ذکر اتنی تفصیل سے ہمارے سامنے کر رکھا تھا کہ ہمیں خیموں کی آبادی اپنی آنکھوں دیکھی بات لگتی تھی۔ اختر صاحب بتایا کرتے تھے کہ پہلی رات ہم لوگ خوف کے مارے سو بھی نہیں سکے۔ کچھ اجنبی جگہ کا خوف، ویرانی کا ڈر کچھ گیدڑوں کی ہاؤ ہو۔ خیموں میں رہنا تو جماعت والوں کے لئے اچنبھے کی بات نہیں تھی کیونکہ خدام کے اجتماعات میں خیموں میں ہی رہنا پڑتا تھا۔

ہمیں تو یہ بات یاد ہے کہ حضرت صاحب کا قصر خلافت بھی کچا ہی تھا۔ اس کے ساتھ ایک کچی ("بیت الذکر") تھی۔ اس میں حضرت صاحب نماز کے لئے تشریف لاتے اور جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔ سخت گرمی کے دنوں میں بھی حضرت صاحب ظہر یا عصر کی نماز کے بعد مجلس عرفان کے لئے تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ ذہن میں ابھی تک وہ تصویر مستحضر ہے۔ حضرت صاحب محراب میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت صاحب کی قمیض پسینہ سے جسم پر چپک رہی ہے۔ ایک دو بار حضرت صاحب نے سر سے پگڑی بھی اتاری۔ مگر ہمیں حضرت صاحب کا ٹوپی پہننا یاد نہیں۔ ربوہ میں بجلی تو بہت بعد میں آئی۔ اسی حالت میں گرمیاں بھی گذر جاتی تھیں سردیاں بھی!

پھر ہمیں وہ قیامت بھی یاد ہے جب حضرت اماں جان کا انتقال ہوا۔ ہم نے کسی جنازہ کے ساتھ لمبے لمبے بانس پہلی بار بندھے ہوئے دیکھے۔ لوگ زار و قطار روتے دیکھے۔ حضرت اماں جان کی وفات کی خبر ریڈیو سے تین بار نشر ہوئی۔ لفظ تک ذہن میں ہیں۔ "بڑے افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی بیوہ اور امام جماعت احمدیہ مرزا بشیرالدین محمود احمد کی والدہ محترمہ آج ربوے میں انتقال کر گئیں" اس وقت ربوے کا لفظ سن کر بہت اچنبھا ہوا کیونکہ "امالہ" کا مسئلہ نہیں پڑھا تھا۔ پڑھا بھی ہوتا تو کیا فرق پڑتا تھا جماعت کے اکثر مقرروں کو "امالے" سے آج تک بے اعتنائی کرتے سن اور دیکھ رہے ہیں۔ مگر ریڈیو والوں نے ایک ہی نشریہ میں ہمیں امالے کا مسئلہ ذہن نشین کروادیا۔

آبادی ریلوے لائن کے دونوں طرف تھی۔ ہم موجودہ دارالصدر والی طرف رہتے تھے اسے محلہ الف کہا جاتا تھا۔ لائن کے پار بھی کوارٹروں کی قطاریں تھیں۔ چاچا جی بھاٹڑی صاحب اور ماجد شاہد ان کوارٹروں میں رہتے تھے۔ گاڑی بھی دن میں شاید ایک ہی آتی تھی۔ صبح چھ بجے کے قریب اور شام کو چھ بجے کے قریب۔ ہم لوگ چنیوٹ

جاتے تو اسی گاڑی سے آتے اور جاتے تھے۔ گاؤں میں تھے تو اپنے گاؤں سے قادیان کے قصبہ تک پیدل ہی آتے جاتے تھے۔ بس یہی چنیوٹ جتنا فاصلہ ہوگا۔ مگر پیدل آنا جانا کھلتا نہیں تھا۔ یہاں وہ ماحول نہیں تھا اس لئے "صبح کے بھولے شام کو گھر لوٹتے تھے" پھر اباجی نے نورالدین صاحب خوش نویس سے ایک پرانی ریلے سائیکل خریدی۔ منشی صاحب سائیکل رکھنے اور کتابت کرنے کے بارہ میں بہت نستعلیق تھے۔ مچھلی کا شکار کھیلنے کے شوقین تھے شاید اب بھی ہوں۔ اس لئے کتابت سے فارغ ہوتے تو کیل کانٹے سے لیس ہو کر دریا پر پہنچ جاتے تھے۔ یہ سائیکل ان کے حوصلوں کا ساتھ نہ دے سکی ہوگی اس لئے آپ نے بیچ دی۔ اباجی نے دفتر سے پیشگی لے کر یہ قیمتی سائیکل بیس روپے میں خریدی۔ ظاہر ہے اباجی اپنے بھاری تن و توش کے ساتھ سائیکل پر بیٹھنے سے تو رہے۔ اس لئے سائیکل ہمارے چنیوٹ آنے جانے کے لئے خریدی گئی۔ ماجد شاہد جو ہم سے ایک کلاس آگے تھا اور جثہ میں ہم سے زیادہ توانا تھا ہمارا ساتھی قرار پایا۔ ماجد سائیکل چلاتا ہم اطمینان سے کیریر پر بیٹھتے مگر دو دو سائیکل سواروں نے نیا "ڈبل گینگ سسٹم" ایجاد کر لیا۔ وہ یوں کہ دریا کی چڑھائی چڑھتے ہوئے پیچھے کیریر پر بیٹھا ہوا سوار پیچھے سے پیڈل چلاتا تھا اور گدی پر بیٹھا ہوا سوار بھی اس کے ساتھ ساتھ پیڈل چلاتا رہتا۔ اس طرح چڑھائی کا مرحلہ طے ہو جاتا تھا مگر یہ ڈبل گیئر اکثر سارا سارا راستہ میں استعمال ہونے لگا تھا کہ ایک شخص کو سارا وقت سائیکل نہ چلانی پڑے۔ خاص طور پر جب ہوا تیز اور مخالف ہوتی تو یہ سسٹم بہت کار آمد رہتا۔ سڑک پر اکادکا لاریاں چلتی تھیں۔ وہ بھی گیس پلانٹ سے چلتی تھیں اکثر یوں ہوتا کہ بسوں کا گیس پلانٹ دریا کی چڑھائی چڑھنے کے لئے مناسب قوت مہیا نہ کر سکتا تو بسوں کا انجن دم توڑ دیتا۔ تب سواریاں اتر کر دھکا لگاتیں اور انجن کی مدد کرتیں۔ خدا خدا کر کے چڑھائی ختم ہوتی تو سواریاں ہانپتی کانپتی بس میں سوار ہو جاتیں۔

بسوں کے ڈرائیور ہم سائیکل سواروں پر بہت مہربان تھے کیونکہ بسا اوقات انہیں ہمارے دھکوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ سڑک چھوٹی سی تھی بمشکل ایک بس گذر سکتی تھی۔ ارد گرد ریت کے انبار تھے اس لئے ہمیں سڑک سے اترنا پڑتا تو ہم سائیکلوں سے ہی اتر جاتے تھے کیونکہ ریت میں دھنس جانے کے بعد سائیکل کو کھینچنا مشکل کیا ناممکن ہو جاتا تھا۔ ٹرک اس زمانہ میں بہت شاذ ہی نظر آتے تھے۔ بار برداری کے لئے تانگے یا گھوڑے کام میں لائے جاتے تھے۔ ربوہ کے سبزی بیچنے والے چنیوٹ سے سبزی لاتے اور انہیں تانگوں پر لایا کرتے تھے۔

ربوہ کی پہلی پہلی عمارتوں میں یعنی پکی عمارتوں میں جو عمارتیں ہمارے سامنے بنیں۔ دفاتر تحریک جدید کی عمارتیں تھیں۔ تحریک جدید کے دفاتر ایک چوکور احاطہ کی صورت میں تھی۔ یہ احاطہ بعد کو جامعہ احمدیہ کے ہاسٹل کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ ایک احاطہ اور بھی تھا اسے "احاطہ" کہا جاتا تھا اس کے اندر غرباء کے خاندان رہتے تھے۔ ہمارے سکول کے دوستوں میں سے ایک دوست اس احاطہ میں رہتا تھا اس لئے ہمیں اس احاطہ کے اندر آنے جانے کا موقعہ ملتا رہا۔ اب تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت خوش حال اور آل اولاد والا ہے اور لندن میں قیام پذیر ہے۔ مگر اس میں ذرا جو تبدیلی آئی ہو۔ اسے اپنے بچپن کی ساری باتیں اور غربت کے سارے حالات یاد ہیں۔ یہی انسان کی بڑائی ہے کہ کشائش میسر ہو تو عدم کشائش کے زمانہ کو بھول نہ جائے۔

ہماری گلی میں دونوں طرف کوارٹر تھے بیچ میں کشادہ راستہ تھا ہمارا مکان پہلا تھا۔ مقابل کے پہلے مکان میں بھائی محمد عالم حضرت صاحب کے باڈی گارڈ اور ان کے ابا غلام حسین رہتے تھے۔ دوسرے مکان میں بھائی جان محمد احمد نعیم صاحب اور پھوپھا جی حضرت مولوی غلام نبی مصری تھے۔ ہمارے ساتھ کے مکان میں قاری محمد امین صاحب اور تیسرے مکان میں مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر تھے۔ ان سے آگے چوہدری اعجاز نصر اللہ خان صاحب تھے جو ان دنوں معاون ناظر امور عامہ تھے۔ ان کی جگہ چوہدری عطاء اللہ صاحب آئے۔ سٹیشن کی جانب جہاں گلی ختم ہوتی تھی۔ حافظ غلام محی الدین صاحب نے ایک چھوٹا سا چائے خانہ کھول رکھا تھا۔ حضرت مولوی مصلح الدین صاحب وہیں تشریف رکھتے تھے اس لئے ہمارا وہاں آنا جانا تھا۔ ویسے ربوہ کے چائے خانوں میں سیلونی کا چائے خانہ بہت مشہور تھا۔ سیلونی صاحب

عجیب خوشبودار چائے بناتے تھے خدا معلوم کون سی پتی استعمال کرتے تھے اور چائے میں کیا خوشبو ملاتے تھے کہ ان کے ہاں سے ایک بار چائے پینے والا انہیں کا ہو کے رہ جاتا تھا۔ ایک کچے کوارٹر کے احاطہ میں ایک بہت بڑا خیمہ انہوں نے لگا رکھا تھا۔ پھر خدا جانے کیا بجوگ پڑا کہ سیلونی صاحب اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ربوہ ہی سے چلے گئے۔ مدتوں بعد انہیں جھنگ کی ضلع کچہری میں ڈیرہ لگائے بیٹھے دیکھا۔ مگر ان سے بات چیت کا موقع نہ ملا کہ ان سے پوچھ ہی لیتے کہ ربوہ کے لگے لگائے گاہک چھوڑ کر جھنگ میں آ بیٹھنے میں کیا تک تھی؟ ان کے ہاں صرف چائے ہی اچھی نہیں ہوتی تھی صفائی کا بھی بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ صاف ستھرے برتن، صاف ستھری میزیں، کرسیاں۔ اپنے خان میر افغان صاحب قادیان کے زمانہ سے حضرت صاحب کے باڈی گارڈ کے طور پر معروف تھے آپ نے بھی ایک چائے خانہ کھول رکھا تھا۔ اس میں پٹھانوں والی کڑک چائے بیچتے تھے۔ فیاض خان صاحب کرمانی بھی چائے پلاتے اور اپنی خاموش گفتگو سے گاہکوں کو متمتع کیا کرتے تھے۔ ربوہ کی آبادی میں ایک اور بڑا سا خیمہ تھا وہ ملک عمر علی صاحب کا خیمہ تھا۔ آپ اس خیمہ میں رہتے تھے۔ تحریک جدید کے دفتروں میں کام کرتے تھے غالباً وکیل التبشیر تھے۔ آپ نے ایک جرمن خاتون سے بیاہ بھی کر لیا تھا۔ ربوہ میں اس بیاہ کا خوب چرچا ہوا۔

ہمارے پڑوس ہی میں پچھلی گلی میں حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب اور قاضی عبداللہ صاحب رہتے تھے۔ قاضی عبدالرحیم صاحب کی نگرانی میں البیت المبارک اور نیا قصر خلافت تعمیر ہوا۔ انجمن اور تحریک کے دفاتر کی عمارتیں بھی غالباً انہی کی نگرانی میں بنیں۔ نہایت محنت کرنے والے بزرگ تھے۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب سے تو کافی دیر تک متمتع ہونے کا موقع ملتا رہا۔ قاضی صاحب بہت اونچا سننے لگے تھے مگر شہر بھر میں آپ کا بہت احترام تھا۔ بزرگوں کا ذکر شروع ہو گیا تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب یاد آ گئے۔ آپ بہت ضعیف تھے۔ لمبی سفید داڑھی، سر پر سبز پگڑی، بر میں ایک لمبا سا چغہ! غالباً دگلہ تھا۔ یعنی اس میں روئی بھری ہوئی ہوتی تھی۔ حضرت مفتی صاحب آہستہ آہستہ چلتے اور محلہ کے بچوں میں ٹافیاں گولیاں بانٹتے رہتے تھے۔ جدھر سے ان کا گذر ہوتا بچے قطاروں میں کھڑے ان کا انتظار کرتے۔ جو بچہ سلام کرتا حضرت مفتی صاحب اسے ایک گولی دے دیتے۔ کئی بچے ایک جگہ سے ٹافی یا گولی لینے کے بعد لپک کر دوسری جگہ جا پہنچتے اور پھر اپنا حصہ وصول کرتے۔ حضرت مفتی صاحب مسکراتے مگر اسے دوبارہ گولی یا ٹافی دینے سے انکار نہ کرتے۔

حضرت مفتی صاحب کی تقریریں جلسہ سالانہ پر ذکر حبیب کے موضوع پر ہوتی تھیں اور بہت دلچسپی اور احترام سے سنی جاتی تھیں۔ مفتی صاحب کی زبان میں بہت مٹھاس تھی۔ ذکر حبیب ان کی زبان سے بہت مزا دیتا تھا۔ مفتی صاحب کئی بار بات کرتے کرتے واقعات سناتے سناتے آب دیدہ ہو جاتے۔ سارا مجمع رونے لگتا۔ ہمیں حضرت مفتی صاحب کی زبان سے ذکر حبیب سننے کا جو مزا آیا وہ کسی اور سے سننے میں نہ آیا۔ غالب نے جو کہہ رکھا ہے

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

اس کی سمجھ مفتی صاحب کی تقریریں سن کر آئی۔

دیکھتے دیکھتے ربوہ کی آبادی میں پکے مکانوں کی کثرت ہو گئی۔ انجمن کے دفتر پکے بن گئے۔ ہم ہسپتال میں کلرکی کرتے تھے تو کچی عمارت میں ہسپتال قائم تھا۔ ایک کمرہ میں کلرک اور ڈاکٹر اکٹھے بیٹھتے تھے۔ دوسرے میں ڈسپنسری تھی جہاں سے بھائی حفیظ اور ان کے کزن بھائی عبدالقیوم دوائیں بانٹتے۔ وہیں آس پاس ہی کہیں ہمارا یار لطف الرحمن شاکر، صبر شکر کے ساتھ بیٹھا اپنی خوردبین میں سلائیڈیں دیکھتا اور پالی پالی لمفو لمفو گنتا رہتا۔ خدا معلوم ان لفظوں کا کیا مطلب تھا مگر اب تک یاد ہیں۔ پھر بڑا ہسپتال بنا۔ ربوہ کا نقشہ بدل گیا۔ بسوں کا اڈہ بن گیا۔ سٹیشن پر لکڑی کی گیلیوں سے بنے ہوئے چھوٹے سے کمرہ کی بجائے ذرا بڑا کمرہ بن گیا۔ پلیٹ فارم تو اب جا کر کہیں نئی عمارت کے بعد اونچا ہوا ہے اس زمانہ میں بالکل ہی زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک دو بار حضرت صاحب کہیں تشریف لے گئے تو ان کے لئے لکڑی کا بنا ہوا

پائیدان علیحدہ سے مہیا کیا گیا۔

جلسہ سالانہ بھی خوب ہوتا تھا۔ کچی بیرکیں بنتیں۔ ان پر سرکنڈے کی چھت ڈالی جاتی۔ ایک بار ہمیں یاد ہے کہ ایک بیرک میں اچانک آگ لگی اور دیکھتے دیکھتے ساری بیرکیں اس کی زد میں آگئیں۔ خشک سرکنڈے کی چھتیں اور اندر پرالی۔ چشم زدن میں ساری بیرکیں راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ مگر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ خدام نے تگ و دو کر کے آگ بجھائی۔ اگلے روز پھر چھتیں ڈال دی گئیں۔ جلسہ کا انتظام جاری رہا۔ ہم نے شعلوں کی لپکتی زبانیں دیکھیں تو بہت خوف آیا۔ مگر کام کرنے والوں کے حوصلے بلند تھے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑا۔ بعد میں جلسہ سالانہ کے موقع پر چنیوٹ یا سرگودھا کی میونسپل کمیٹیوں سے فائر بریگیڈ کی گاڑیاں عاریتاً منگوائی جاتیں اور جلسہ کے دنوں میں ربوہ میں موجود رہتیں۔ ہم نے کبھی انہیں استعمال ہوتے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہی رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو ہمیشہ ہر قسم کی آگ سے محفوظ ہی رکھا ہے۔ الحمدللہ!

ڈاک خانہ بھی ایک کچی عمارت میں تھا۔ اس میں پوسٹ ماسٹر ایک صاحب برج لال شاہ تھے۔ ہم لوگ حیران ہوا کرتے تھے کہ یہ عیسائی ہو کر "شاہ" کیوں کہلاتے ہیں؟ پھر سوچا برنارڈ شا کی طرح کے شا ہوں گے۔ بڑے نستعلیق آدمی تھے۔ صاف ستھرے کپڑے پہنتے۔ خاکی رنگ کی زین کے کپڑے۔ سر پر سولا ہیٹ، میاں منور احمد صاحب جب ربوہ کی نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی کے سربراہ تھے۔ کمیٹی کی طرف جاتے تو برج لال شاہ صاحب ہیٹ اتار کر انہیں سلام کیا کرتے تھے۔ کمیٹی کا ایک دو کمروں کا دفتر ڈاک خانہ کے ساتھ ہی تھا۔ اپنے حاجی برکت اللہ صاحب بعد میں ربوہ کے پوسٹ آفس میں آئے یا شاید اس وقت بھی موجود ہوں ہمیں علم نہیں۔ ان کے صاحبزادے مطیع اللہ درد سے کالج کے زمانہ میں دوستی اور مدیرانہ رفاقت شروع ہوئی۔ "المنار" (تعلیم الاسلام کالج کا مجلہ۔ "المنار" ۔ مدیر) میں ہم اکٹھے رہے۔ مطیع اللہ درد انگلستان چلے گئے اور وہیں کہیں غائب ہو گئے۔ مدتوں سے ملنا ملانا نہیں ہوا۔ خدا کرے خیریت سے ہوں۔ حاجی برکت اللہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے رفیع اللہ ٹیلیفون کے محکمہ میں تھے اب بھی شاید ہوں۔ حاجی صاحب بھی ریٹائر ہونے کے بعد ایک سب پوسٹ آفس بنا کر کام میں مصروف رہے۔ معلوم نہیں حیات ہیں یا گذر گئے۔ خوب آدمی تھے۔ غالباً مولانا درد صاحب کے عزیزوں میں سے تھے یا شاید بھائی تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

بسوں کا اڈہ مدتوں، قصر خلافت اور الیت مبارک کے پاس رہا۔ جہاں گھاس کے سرسبز و شاداب قطعات کے دائیں بائیں والی سڑکیں ملتی ہیں۔ ایک کونے پر اڈہ تھا دوسرے کونے پر مہمان خانہ، دارالضیافت بھی اب نئی جگہ پر بنا ہے پہلے اڈہ کے عین ساتھ تھا اب جہاں الیت المبارک کے صحن کے آگے کا وسیع میدان نظر آتا ہے یہاں مہمان خانہ تھا کہ مہمان بس سے اتر کے سیدھے مہمان خانہ میں پہنچیں۔ الیت المبارک والا گیٹ بھی بعد میں بنا ہے۔

حضرت صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا تو غالباً عصر کی نماز کا وقت تھا۔ ایک شخص خدا معلوم کس طرح عین حضرت صاحب کے پیچھے نماز میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک تیز چاقو اپنی چادر میں چھپا رکھا تھا۔ پہرے داروں کو اس کی حرکات پر ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ نماز کے بعد جب حضرت صاحب جھکے جوتے پہننے کی خاطر، اس شخص نے عین گردن پر چاقو سے حملہ کر دیا چاقو گردن میں گہرا پیوست ہو گیا۔ خون کے فوارے چھوٹ پڑے۔ ہمارے سکول کے پی۔ ٹی ماسٹر غلام مرتضیٰ صاحب اتفاق سے اس وقت موجود تھے آپ نے لپک کر حملہ آور کو قابو کیا۔ ان کے سارے کپڑے حضرت صاحب کے خون سے سرخ ہو گئے۔ بہرحال حضرت صاحب اندر تشریف لے گئے۔ اس قاتلانہ حملہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی۔ سب لوگ قصر خلافت کی طرف لپکے۔ حملہ آور کو قابو کیا گیا تو حضرت صاحب نے فرمایا اس کی پوری حفاظت کریں اسے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ یہی وجہ تھی کہ کسی نے اس بدقسمت شخص کو کچھ نہیں کہا ورنہ لوگ اس کی تکہ بوٹی کر دیتے۔ ہمیں اتنا یاد ہے کہ اس وقت حضرت صاحب کا ایک پیغام جماعت کے نام پڑھ کر سنایا گیا اور بعد میں الفضل میں بھی چھپا۔ اس دردناک پیغام میں بھی حضرت صاحب نے یہی کہا تھا کہ جماعت کو حوصلہ مندی کے ساتھ اس صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ پیغام کی

ساری باتیں تو اس وقت ذہن میں نہیں مگر اس کا لب لباب یہ تھا کہ اگر تو میرا وقت مقدر آگیا ہے تو جماعت کو حوصلہ کے ساتھ جماعت کے نظام کے ساتھ وابستہ رہنا چاہئے کیونکہ افراد کو تو بہرحال مرنا ہی ہوتا ہے جماعتیں نہیں مرا کرتیں۔ میں یہ ساری تفصیلات اپنی یادداشت کے زور سے لکھ رہا ہوں اس لئے ہو سکتا ہے حضرت صاحب کے پیغام کے اصل الفاظ سے کچھ اختلاف ہو لیکن اتنا یقین ہے کہ ان الفاظ کا یہی مطلب بنتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ربوہ والوں کے لئے خاص طور سے وہ وقت بڑا کڑا تھا۔ ہمیں یاد ہے حضرت صاحب کی صحت کے بارہ میں روز بلٹن شائع ہوتے تھے۔ دعاؤں کی تحریک ہوتی تھی اور لوگ رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ ساری جماعت از حد بیقرار تھی۔ ربوہ کے درو دیوار سے اداسی ٹپکتی تھی۔ حضرت اماں جان کی وفات کے وقت جو نظارہ دیکھا اسی قسم کی کیفیت سامنے آرہی تھی مگر اللہ کا فضل ہوا اور حضرت صاحب ٹھیک ہو گئے۔ حملہ آور کو اقدام قتل کے جرم میں پانچ یا چھ برس کی قید ہوئی۔ اس وقت ساری جماعت کو احساس ہوا کہ امام کا وجود جماعت کے لئے کیا ہوتا ہے؟ حضرت صاحبؓ نے تقریباً نصف صدی تک جماعت کی رہنمائی فرمائی۔ اس عرصہ میں دو نسلیں پیدا ہوئیں۔ بڑی ہوئیں اور بوڑھی بھی ہو گئیں۔ اس لئے حضرت صاحب کا وجود ہی جماعت لگتا تھا۔ انہی دنوں ایک فتنہ منافقین بھی جماعت میں برپا ہوا۔ اس فتنہ کی باگ تو بعض بڑے منافقین کے ہاتھوں میں تھی مگر ان لوگوں نے چھوٹوں کو آگے کر رکھا تھا۔ اس فتنہ کی سرکوبی کا حال بھی ہمیں خوب یاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جماعت کو اس فتنہ سے بچالیا۔ حضرت صاحب نے جس حکمت سے اس فتنہ کا استیصال کیا اس سے جماعت کے اندر یہ بات بھی راسخ ہو گئی کہ ان کی قیادت کیسے زیرک اور اولوالعزم امام کے ہاتھ میں ہے۔ اس فتنہ کے بعد خدام اور اطفال اور انصار کے عہدوں میں خلافت کے ساتھ ناقابل شکست تعلق امام وقت کی ہر معروف امر میں اطاعت کرنے کے الفاظ شامل کئے گئے۔ پہلے یہ الفاظ اس صورت میں موجود نہیں تھے۔

ہم لوگ محلہ الف سے اٹھ کر محلہ دارالرحمت وسطی والے مکان میں آ گئے۔ ساتھ پھوپھاجی کا ایک کمرہ کا مکان تھا اندر سے صحن ایک ہی تھا اس لئے باہر سے مکان بڑا لگتا تھا۔ ہمارے اپنے گھر میں تایا جی محمد خان، امی ابا، تین بہنیں، تین بھائی۔ سب کی سمائی تھی۔ پھر دوسرا کمرہ بنا۔ اس وقت شاید ایف اے کا امتحان دے رہے تھے۔ ربوہ میں بجلی آگئی تھی مگر ہمارے گھر تک نہیں پہنچی تھی۔ بجلی کے محکمہ میں مکرم احمد زمان صاحب تھے اب ان کی اولاد جرمنی میں بیٹھی ہے۔ سید سجاد حیدر شاہ صاحب تھے ان کی اولاد بھی ہماری شاگرد ہوئی۔ نعیم حیدر کسی ڈائجسٹ میں کام کرتا تھا خدا معلوم کہاں ہے اور کہاں ڈائجسٹ ہو گیا ہے۔ اس کا ماموں سید ارشاد علی شاہ ہمارا کلاس فیلو تھا۔ اس کے نانا سید سمیع اللہ صاحب ہمارے استاد تھے۔ اللہ بخشے خوب آدمی تھے۔

خدا خدا کر کے بجلی ہمارے گھر تک بھی پہنچی مگر صرف روشنی کے لئے استعمال میں آتی تھی۔ پنکھے چلانے کا رواج بعد میں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے گھر میں ائرکنڈیشنز بھی لگے۔ مگر وہ وقت بھی گذر ہی گیا۔ ربوہ میں بجلی کی وہ آنکھ مچولی رہتی تھی کہ پناہ بخدا۔ پہلے پہل میاں مظفر احمد صاحب نے اصرار کر کے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں ائرکنڈیشنر لگوایا۔ سنا ہے ربوہ میں بجلی کی آنکھ مچولی اسی طرح جاری ہے۔ شاید آپ کو ضمیر جعفری صاحب کا ہمارا ہی سنایا ہوا شعر یاد ہو۔

یا الہ العالمین کوئی خوشی خالص بھی دے
برق پیدا کی ہے تو پھر واپڈا پیدا نہ کر

مگر جناب بجلی اور پانی ہے تو واپڈا تو ہوگا! کہا افغان کا ڈر ہے۔ کہا افغان تو ہوگا۔ ہم بجلی کا ذکر کرتے ہوئے بجلی کی سی تیزی سے دوسری طرف مڑ گئے۔ یہ خیال نہ آیا کہ ربوہ کے ذرائع مواصلات کا تو ذکر کیا نہیں۔ آج لوگ اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ کسی زمانہ میں ربوہ میں کوئی تانگہ نہیں تھا اور تانگہ اس لئے نہیں تھا کہ کوئی سڑک ہی نہیں تھی۔ ہاں رستے ہموار کئے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ ان ہموار راستوں پر بجری ڈالی گئی پھر پکی سڑکیں تو کہیں ساٹھ کی دہائی میں آکر بنی ہیں۔

بسوں کا یہ عالم تھا کہ اکا دکا بسیں چلتی تھیں اور وہ بھی گیس پلانٹ سے۔ گیس پلانٹ بالکل ویسا ہی گیس پلانٹ تھا جیسا آج کل ویلڈنگ کرنے والوں کے گیس پلانٹ ہوتے ہیں۔ بس کے پیچھے جہاں آج کل لڑکے لٹکے ہوتے ہیں وہاں وہ پلانٹ لگا ہوتا تھا۔ اس میں آگ جلتی تھی اور کسی خاص کیمیکل سے گیس پیدا کی جاتی تھی جو انجن کو توانائی مہیا کرتی تھی۔ کونسی گیس تھی؟ ہمیں پتہ نہیں کیونکہ ہم سائنس کے باب میں کورے کے کورے ہیں۔ ویسے ہمارا خیال ہے ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہد صاحب کو خیال نہ رہا کہ ایک آدھ نسخہ ریکارڈ کے لئے بھی سنبھال لینا چاہئے مگر انہیں کیا خبر تھی کہ ہم ان سے پانچ دہائیوں کے بعد بسوں کو چلانے والی گیس کا نسخہ پوچھ لیں گے؟

دو بس کمپنیاں متروکہ املاک میں شمار ہوتی تھیں۔ ایک کا نام ہمالیہ ٹرانسپورٹ اور دوسری کا نیو سورج ٹرانسپورٹ۔ ہمالیہ کمپنی کا تو پتہ نہیں۔ ہمالیہ سے اتر کر کس کی گود میں گری۔ نیو سورج کمپنی نے نصرت ٹرانسپورٹ کمپنی کا نام اختیار کیا اور ملک فتح محمد خاں صاحب ٹوانہ ایم این اے کی ملکیت میں آئی۔ ان دونوں بس کمپنیوں کی بسیں سرگودھا اور فیصل آباد کے درمیان چلتیں۔ یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ ہمارے احمدی پراچگان کی ملکیت تھی اور لاہور اور بھیرہ کے درمیان چلتی تھی۔ اس کمپنی کا تخصص یہ تھا کہ لاہور تک اس کے سفر کا وقت مقرر تھا اس لئے یہ بسیں راستے میں زیادہ رکتی نہ تھیں۔ ایک اور ٹرانسپورٹ کمپنی لاہور کے کراؤن سینما والوں کی ملکیت تھی۔ کراؤن ٹرانسپورٹ۔ یہ بھی لاہور اور سرگودھا کے درمیان چلتی تھی۔ اس زمانہ میں لاہور کا کرایہ تین روپے تین آنے تھا۔ پھر ہمارے مرزا منیر احمد صاحب کی طارق ٹرانسپورٹ کمپنی سامنے آئی۔ اس کا روٹ بھی لاہور بھیرہ تھا۔ اس کمپنی کی خاص بات یہ تھی کہ لاہور اور سرگودھا کے درمیان کم سے کم وقت لیتی تھی مگر ہمیں تو ایک بار لے ہی بیٹھی تھی وہ تو اللہ کا فضل ہوا کہ ہم بچ گئے۔ یہ چھٹی دہائی کی بات ہے۔ ہم پی ایچ ڈی کے سلسلہ میں تین دن لاہور اور تین دن ربوہ میں رہتے تھے۔ قبلہ قاضی محمد اسلم صاحب نے اور ان سے پہلے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے ہمیں کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ ہم پی ایچ ڈی کے سلسلہ میں جتنی دیر تک چاہیں لاہور میں رک لیں۔ ہماری چھٹیوں پر یا ملازمت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ چنانچہ ہم جمعرات کی شام لاہور چلے جاتے۔ جمعہ ہفتہ اور اتوار وہاں ٹھہرتے، لائبریریوں میں تحقیق کا کام کرتے اور اتوار کی شام کو واپس ربوہ آ جاتے۔ عموماً ہم وہاں سے شام کے سات بجے کی بس لیتے جو آخری بس ہوتی تھی۔ طارق ٹرانسپورٹ والوں کی یہ بس تاجر حلقہ میں بہت مقبول تھی۔ ہم تاجر تو نہ تھے مگر ہمیں یہ آخری بس بہت مناسب لگتی تھی کیونکہ سارا دن لائبریری میں کام کرنے کو مل جاتا تھا۔ ایسا ہی ایک سفر تھا۔ ہم آخری بس پر لاہور سے چلے۔ ربوہ کے درمیانی درہ کی چڑھائی چڑھتے ہوئے ڈرائیور سامنے سے آنے والی کسی بس یا ٹرک کی روشنی میں اندازہ نہ کر سکا اور بس پہلو کے بل الٹ گئی۔ نہ صرف الٹ گئی بلکہ دو چار لڑھکنیاں کھاتی ہوئی دور جا پڑی۔ ہم بائیں جانب بیٹھے تھے دائیں طرف بھاری تن و توش والے میانوالی کے تاجر تھے اور ان کا سامان۔ وہ سارا ہمارے اوپر آ رہا حواس بجا رہے۔ الٹی ہوئی بس سے نکلے۔ لوگ ہاگ ہراساں تھے۔ مگر اللہ کا فضل تھا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ زخمی تو ہم بھی تھے مگر یہ تسلی تھی کہ ابھی کہیں سے ربوہ والے خدام دوڑتے بھاگتے آ جائیں گے اور ہمیں ہسپتال پہنچا دیں گے۔ چنانچہ ہم ہسپتال پہنچائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا اور فرمایا بظاہر کوئی ہڈی وغیرہ نہیں ٹوٹی۔ ہم نے انہیں بتایا کہ سینہ میں بہت درد محسوس ہو رہی ہے۔ کہنے لگے کوئی بات نہیں حادثہ کا صدمہ ہے ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم گھر پہنچ گئے۔ اگلے روز تکلیف بڑھ گئی دوبارہ ہسپتال پہنچے تو ایکسرے ہوا معلوم ہوا زیادہ نہیں بائیں طرف کی اوپر کی تین پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمیں پلستر میں جکڑ دیا اور فرمایا بس اسی طرح یہ پسلیاں خود بخود جڑ جائیں گی جگہ ایسی ہے کہ اگر بوجھ نہ اٹھائیں تو دقت نہیں ہوگی۔ چلئے ہم کچھ دنوں کے لئے پابند بستر ہو گئے۔ اب بھی سرد ہوا چلتی ہے تو وہیں ٹیس سی اٹھتی ہے۔

اس ہمالیہ ٹرانسپورٹ کی ایک بس ایک بار ملک عمر علی صاحب کی کوٹھی والے درہ کے قریب الٹ گئی۔

دو چار جانیں بھی تلف ہوئیں۔ ہم نے وہ بس دیکھی تو بہت خوف آیا

جو پاکستان سے آتے وقت تک قائم تھا۔ مستزاد خود اپنے آپ کو حادثہ پیش آگیا۔ انہی دنوں میں ہمارے ایک محلہ دار تھے ملک محمد اشرف صاحب غالباً تبشیر کے دفتر میں کام کرتے تھے۔ وہ سرگودھا جاتے ہوئے گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کمپنی کی کسی بس میں سفر کرتے ہوئے حادثہ کا شکار ہوئے اور جاں بحق تسلیم کی۔ ہمارے ساتھ واقفیت نہیں تھی مگر ہمارے یار ملک فضل الٰہی کے عزیزوں میں سے تھے۔ اللہ بخشے ربوہ کے غالباً پہلے باشندے تھے جو بس کے حادثہ میں جاں بحق ہوئے۔ بھیرہ کے رہنے والے تھے۔ ربوہ میں ان کی حادثاتی موت کا بہت چرچا رہا۔ ان دنوں بسوں کے حادثات غیر معمولی سمجھے جاتے تھے آج کل تو حادثے زندگی کا معمول ہیں اور سال میں ہزاروں لوگ ان کا شکار ہوتے ہیں۔

بقیہ از صفحہ...... 24

کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے ہو۔ سنو! (دین حق) خطرہ میں ہے۔ مبلغ (دین حق) کی مدد کرو تا مغربی افریقہ کے ہزاروں میل رقبہ اور لاکھوں انسانوں میں حفاظت و اشاعت (دین حق) کا کام ہو سکے۔ آدمیوں کا ہندوستان سے یہاں آنا مشکل اور پر خطر ہے ہاں روپیہ آسکتا ہے۔ یاد رکھو یہ خدا کا کام ہے جو ہو کر رہے گا لیکن اگر تم نے بے توجہی دکھائی تو (دین حق) قیامت کے دن تم کو ملزم کرے گا پس اٹھو اور اپنی کوششوں کو پہلے سے بہت زیادہ کر دو۔ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں لگا دو۔ تا خدا کے دین کی حفاظت کے ظاہری سامان کئے جا سکیں"

احمدی طلباء و طالبات کیلئے ضروری اعلان

وہ تمام احمدی طلباء و طالبات جو کسی بھی یونیورسٹی، کالج یا تعلیمی ادارہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں یا اب داخلہ لے رہے ہوں۔ وہ تمام نظارت تعلیم میں قائم انفارمیشن سیل Information Cell کو مندرجہ ذیل معلومات ضرور بھجوائیں۔ تاکہ دوسرے احمدی طلباء و طالبات جن کو ان ادارہ جات کے بارے میں معلومات درکار ہوں اس سے استفادہ کر سکیں۔ اسی طرح اگر آپ کو کسی قسم کی معلومات یا راہنمائی درکار ہو تو بذریعہ ڈاک یا بالمشافہ نظارت تعلیم سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

1۔ ڈگری/ڈپلومہ کورس کا تازہ ترین میرٹ اور داخلہ سے متعلقہ ضروری معلومات

2۔ اپنے شعبہ کا Prospectus

3۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور ضروری تعلیمی معلومات ہوں۔

طلباء و طالبات سے یہ بھی گزارش ہے کہ اگر وہ اپنے تعلیمی ادارہ کے علاوہ کسی اور تعلیمی ادارہ کے بارہ میں معلومات بھجوا سکتے ہوں تو ضرور بھجوائیں۔ شکریہ۔ (نظارت تعلیم)

قرارداد تعزیت

عصرِ حاضر کی دُنیائے سائنس کا مہرِ درخشاں

احمدیت کے مایہ ناز فرزند، عالمی شہرت کے عظیم اور نوبل انعام یافتہ سائنسدان

اور پاکستان کے قابلِ فخر سپوت

مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا انتقال

جماعتِ احمدیہ کے مایہ ناز فرزند اور عالمی شہرت کے حامل پاکستان کے قابلِ فخر سپوت محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۹۶ء کو بعمر ۷۰ سال آکسفورڈ لندن میں انتقال فرما گئے۔ اِنّا لِلّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

آپ ۲۹ جنوری ۱۹۲۶ء کو اپنے ننھیال "سنتوکھ داس" ضلع ساہیوال میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت چوہدری محمد حسین صاحب جھنگ شہر کے ایک مخلص اور فدائی اور صاحبِ کشف و الہامات بزرگ تھے۔

جھنگ کی ابتدائی تعلیم سے لے کر گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔ اے تک آپ نے اوّل پوزیشن کا اعزاز حاصل کیا اور اِس دَوران کئی تعلیمی ریکارڈ قائم کئے۔ کیمبرج یونیورسٹی انگلستان میں اپنی غیر معمولی استعداد کی بناء پر چھ سال کا تعلیمی دَور صرف تین سال میں مکمل کیا

محترم ڈاکٹر صاحب کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج لاہور اور پنجاب یونیورسٹی میں صدر شعبہ ریاضی کی حیثیت سے تدریسی فرائض ادا کرتے رہے اور پھر امپیریل کالج لندن میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ

اسی کالج میں صدرِ شعبہ بھی مقرر ہوئے اور اس دوران کئی ممالک میں تحقیقی لیکچر دئے۔
محترم پروفیسر صاحب نے پاکستان، برطانیہ، اٹلی، پیرو، وینزویلا، پولینڈ، اردن، ترکی، بھارت، بنگلہ دیش، نائیجیریا، فلپائن، سوڈان، سپین، امریکہ، کینیا اور ارجنٹائن وغیرہ ممالک سے اعزازی ڈگریاں حاصل کیں۔ یہ اعزاز بھی صرف ڈاکٹر صاحب کو ملا کہ ایک ہی ملک سے انھوں نے کئی کئی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔

اسی طرح پوری دنیا سے وہ ۱۸ ایوارڈز حاصل کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں نشانِ امتیاز (پاکستان) نشانِ اندرس بیلو (وینزویلا) نشانِ استقلال (اردن) نشانِ میرٹ (اٹلی) جیسے اعزازات بھی پا چکے ہیں۔ دنیا کی چھ یونیورسٹیوں میں ان کا تقرر ہوا۔ اس کے علاوہ وہ بے شمار عالمی اکیڈمیوں اور سوسائٹیوں کے رکن، منتخب فیلو اور بانی رہ چکے ہیں۔
ٹریسٹ (اٹلی) میں آپ کا قائم کردہ ادارہ "انٹرنیشنل سنٹر برائے نظریاتی فزکس" آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے جس کے ذریعہ تیسری دنیا کے سائنسدانوں نے استفادہ کر کے اپنے اپنے ملک کو فائدہ پہنچایا۔

آپ کا شمار دنیا کے ان نامور اور شہرہ آفاق سائنسدانوں میں ہوتا ہے کہ جن پر دنیائے سائنس بجا طور پر فخر کرے گی۔

آپ نے ۱۹۷۹ء میں فزکس میں نوبل انعام حاصل کیا۔

آپ نے ۲۵۰ کے قریب تحقیقی مقالات لکھے اور متعدد کتب تصنیف کیں۔

آپ جہاں خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر غیر متزلزل یقین اور ایمان کی بناء پر تمام سائنسدانوں میں ممتاز اور منفرد مقام کے حامل تھے وہاں آپ احمدیت کی صداقت کا بھی ایک عظیم نشان تھے کہ آپ اس علم و معرفت سے نوازے گئے جس کا وعدہ حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو دیا گیا تھا۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔"

("تجلیاتِ الٰہیہ")

محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی وفات سے جو ایک خلاء پیدا ہوا ہے ہماری خدائے واحد و یگانہ و علیم و حکیم سے دعا ہے کہ وہ حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی اِس پیشگوئی کے حامل سینکڑوں ہزاروں "عبدالسلام" جماعتِ احمدیہ کو عطا فرمائے جن کا آغاز بھی نیک ہو اور انجام بھی نیک ہو۔ جنہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے وہی عظمتیں نصیب ہوں جو مرحوم ڈاکٹر صاحب کے حصہ میں آئیں۔

ہم ممبرانِ عاملہ اپنے پیارے امام ہمام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور محترم ڈاکٹر صاحب کے جملہ اہلِ خانہ و لواحقین اور عالمگیر جماعتِ احمدیہ کے تمام ممبران سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔

ہم ہیں سوگوار
ممبران مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان

ٹائیٹل پیج نمبر 4 پر شائع ہونے والی تصویر میں موجود ممبران کے اسماء

کرسیوں پر (دائیں سے بائیں):۔ مکرم حافظ عبدالاعلیٰ صاحب طاہر (معتمد)، مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر (مہتمم اشاعت)، مکرم عبدالسمیع خان صاحب (مہتمم تعلیم)، مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف (نائب صدر)، مکرم عطاء المجیب صاحب راشد مہمان خصوصی (امام بیت الفضل لندن و سابق صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)، مکرم راجہ منیر احمد خان صاحب (صدر مجلس)، مکرم مرزا عبدالصمد احمد صاحب (مہتمم امور طلباء)، مکرم خلیل احمد تنویر صاحب (مہتمم اصلاح و ارشاد)، مکرم ظفراللہ خان صاحب طاہر (مہتمم تربیت)،

کھڑے (دائیں سے بائیں):۔ مکرم سلیم الدین صاحب (مہتمم عمومی)، مکرم فخرالحق صاحب شمس (معاون صدر)، مکرم شمشاد احمد صاحب قمر (معاون صدر)، مکرم انتصار احمد صاحب نذر (مہتمم وقار عمل)، مکرم عبدالحلیم صاحب سحر (مہتمم تحریک جدید)، مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب (ایڈیشنل مہتمم تربیت برائے نومبائعین)، مکرم مسعود احمد صاحب سلیمان (مہتمم مقامی)، مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب (مہتمم اطفال)، مکرم سید مبشر احمد صاحب ایاز (مہتمم تجنید)، مکرم قمر احمد صاحب کوثر (محاسب)، مکرم شبیر احمد صاحب ثاقب (مہتمم صحت جسمانی)، مکرم نصیر احمد صاحب انجم (مہتمم صنعت و تجارت)، مکرم راجہ رفیق احمد صاحب (مہتمم مال)، مکرم ڈاکٹر عبداللہ پاشا صاحب (مہتمم خدمت خلق)، مکرم منصور احمد صاحب ناصر (معاون صدر)

ٹائیٹل پیج پر مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی تصویر ہمیں مکرم حبیب الرحمان صاحب زیروی اسسٹنٹ لائبریرین خلافت لائبریری نے عطا کی تھی۔ ادارہ ان کا مشکور ہے۔

سب فانی پر وہ غیر فانی

ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن میں مدیر صاحب الفضل استاذی المکرم نصیر احمد صاحب قمر نے ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی وفات پر ایک اداریہ لکھا جو ہم الفضل کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

"عصر حاضر کے عظیم احمدی سائنس دان نوبیل انعام یافتہ، عالمی شہرت کے حامل مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب. بقضائے الٰہی اس عالم فانی سے اس عالم میں رحلت فرما گئے جو جاودانی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

دنیائے سائنس میں آپ نے بلاشبہ علم و فضل کے بلند مقامات کو حاصل کیا لیکن ہمارے نزدیک وہ خاص بات جو آپ کو دنیا کے ہر دوسرے محقق اور سائنس دان سے ممتاز کرنے والی ہے وہ آپ کا خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر کامل اور غیر متزلزل ایمان اور (دین حق) سے گہری وابستگی ہے۔ جدید سائنسی علوم کی تحصیل یا اعلیٰ ڈگریاں اور اعزازات آپ کو نہ خدا سے غافل کر سکے اور نہ ہی آپ کے صاف اور پاکیزہ دل کو کسی قسم کی انانیت، رعونت یا تکبر سے آلودہ کر سکے بلکہ یہ تمام ترقیاں اور انعامات آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور مزید عجز و انکسار اور شکر کے جذبات پیدا کرنے کا باعث ہوئے۔ آپ ایک سچے، مخلص اور فدائی .... احمدی تھے اور اس پر بجا طور پر فخر کرتے اور برملا اس کا اظہار کرتے تھے۔ اسلام اور سائنس کے موضوع پر آپ کے ایک لیکچر کا پہلا جملہ یوں ہوتا ہے کہ "ابتداء اس اقرار سے کرتا ہوں کہ میرا عقیدہ اور عمل ..... پر ہے"۔ اسی طرح اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"There is no conflict between the study of nature' and the study of Islam. A study of these natural Laws, and seeing how they operate is a form of prayer and gratitude to Allah"

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

"in my view Ahmadiyyat is Pure [redacted] and as [redacted] is the glorification of Allah. I find no conflict between Ahmadiyyat and my [illegible]"

دین حق سے آپ کی یہ وابستگی آپ کا ایسا امتیاز تھی کہ غیر بھی اسے دیکھ کر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ چنانچہ برسٹل یونیورسٹی انگلینڈ کے پروفیسر جان زیمان نے ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگری عطا کئے جانے کے موقعہ پر جو خطاب کیا اس میں انہوں نے کہا کہ:۔

عبد السلام کی زندگی اور کارہائے نمایاں دونوں میں ایک ہی تصور کار فرما ہے اور وہ ہے ارتباط اور اتحاد۔ عبد السلام دین (حق) پر ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی زندگی کو نظریہ وحدت کے لئے وقف کر دیا ہے۔ وحدت جو کہ فطرت میں رچی بسی ہے اور بنی آدم کو اتحاد کے رشتوں میں منسلک کئے ہوئے ہے"۔

آپ یقیناً عصر حاضر میں دنیائے سائنس کے مہر درخشاں تھے۔ آپ کی سائنسی تحقیقات کا مرکزی نکتہ بھی توحید تھا اور عملاً بھی آپ نے اپنی ساری زندگی ایک بااخلاق، باکردار سچے موحد کی حیثیت سے گزاری۔

ہمیں کامل امید ہے کہ مولا کریم آپ کا شمار ان اولوالالباب میں فرمائے گا جو اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہوئے اس کی طرف سے آنے والی سچائیوں کو تسلیم کرتے اور اس سے مغفرت اور رحمت کے طلب گار رہتے ہیں۔ آج جماعت احمدیہ.... کو ایسے ہی اہل علم اولوالالباب کی ضرورت ہے جو کسی لحہ بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں اور اس کی رضا کی راہوں پر چلتے ہوئے اپنی تمام صلاحیتوں اور استعدادوں کو اپنے نقطہ عروج تک پہنچائیں اور اس دنیا میں بھی علم و معرفت کی بلندیوں کو حاصل کریں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو ان کی وفات اللہ کے ہاں مزید رفعتوں کے حصول کا موجب ہو۔"

انعامی مقابلہ ـ /1000 روپے

ادارہ خالد ماہنامہ "خالد" کے ٹائیٹل صفحہ کی ڈیزائننگ اور سیٹنگ کے لئے ایک انعامی مقابلے کا اعلان کر رہا ہے۔ آرٹسٹوں اور فائن آرٹس کے طلباء اور دیگر احباب سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کے لئے ایک خوبصورت اور معیاری ٹائیٹل صفحہ ڈیزائن کر کے ارسال کریں۔

- جس ٹائیٹل کو منتخب کیا جائے گا اس کی خدمت میں ایک ہزار روپے کا انعام بھی دیا جائے گا۔
- اپنے مجوزہ ٹائیٹل فروری کے آخر تک آپ ماہنامہ "خالد" کے ایڈریس پر ارسال کر سکتے ہیں۔ شکریہ

ماہنامہ "خالد" ایوان محمود ربوہ 35460 پاکستان

مضامین برائے سہ ماہی

سہ ماہی اول "وقف زندگی"
آخری تاریخ 15 جنوری 1997ء

سہ ماہی دوم "محبت الٰہی"
آخری تاریخ 15 اپریل 1997ء

سہ ماہی سوم "حفظان صحت"
آخری تاریخ 15 جولائی 1997ء

سہ ماہی چہارم "حقوق ہمسایہ"
آخری تاریخ 15 اکتوبر 1997ء

مضبوطی میں بے مثال
کارکردگی میں لاجواب
HERCULES
ہرکولیس
پٹہ کمانی
امپورٹڈ میٹریل سے تیار شدہ
میاں بھائی
10۔ منٹگمری روڈ، لاہور
سپیشلسٹ
• پٹہ کمانی
• سلنسر بکس، پائپ
• آٹو ربڑ پارٹس
نیز
سوزوکی جینئن پارٹس
فون نمبر 3613573-6313372-6374740

کنفوری ®
قائم شدہ: ۱۹۴۹ء
یونانی دواسازی کا ایک قدیم با اصول ادارہ
خالص اور معیاری دوا ہماری پہچان
شفاءِ سینہ
لال شربت
فولادی جدید
کنفوری
روغن بادام
25 ml
کنفوری
پلز
مرہم
عیسیٰ
جدید
کنفوری فارمیسی یونانی رجسٹرڈ شالامار ٹاون لاہور۔ فون نمبر: ۳۳۱۷۸۵
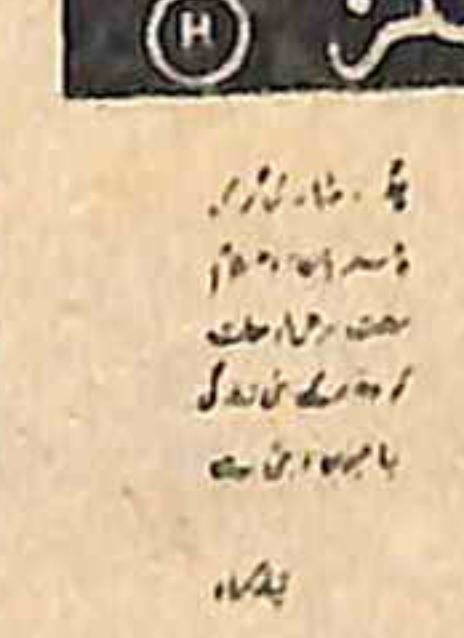
ممبران اشاعت کمیٹی ۹۶-۱۹۹۵ء

بیٹھے ہوئے (دائیں سے بائیں) مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف نائب صدر، مکرم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس، مکرم مرزا عبدالصمد احمد صاحب (مہتمم اشاعت۔ صدر اشاعت کمیٹی)، مکرم قمر احمد صاحب کوثر (سیکرٹری اشاعت کمیٹی) —— کھڑے (دائیں سے بائیں) مکرم منصور احمد ناصر صاحب، مکرم شمشاد احمد قمر صاحب، مکرم نصیر احمد صاحب انجم (مدیر اعلیٰ تشحیذ الاذہان)، مکرم سید مبشر احمد ایاز صاحب (مدیر خالد)

ممبران اشاعت کمیٹی ۹۷-۱۹۹۶ء

بیٹھے ہوئے (دائیں سے بائیں) مکرم سید مبشر احمد صاحب ایاز (مدیر خالد)، مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف (صدر اشاعت کمیٹی)، مکرم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس، مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر (سیکرٹری اشاعت کمیٹی و مہتمم اشاعت)، مکرم نصیر احمد صاحب انجم (مدیر اعلیٰ تشحیذ الاذہان) —— کھڑے (دائیں سے بائیں) مکرم فخر الحق صاحب شمس، مکرم قمر احمد صاحب کوثر (مدیر تشحیذ الاذہان)

Monthly **Khalid** Rabwah

REGD. NO. L5830 | Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz JANUARY 1997

اراکینِ مجلسِ عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان ۹۷-۱۹۹۶ء

اراکین مجلس عاملہ مہمانِ خصوصی مکرم و محترم عطاء المجیب صاحب راشد (امام بیت الفضل لندن و سابق صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ) کے ہمراہ — آپ کے دائیں جانب محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور بائیں محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف نائب صدر تشریف فرما ہیں۔

(بقیہ نام اندر ملاحظہ فرمائیں)